صحیفۂ اہلِ ہُدیٰ

تالیف سید محی الدین بن سید محمود بن سید مرتضیٰ
بن سید شمس الدین بن سید عبدالقادر بن سید شاہ مصطفیٰ قادری
برادر حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری قدس سرہٗ

QASID KITAB GHAR
Mohammad Hanif Razvi Nagarchi.
Near Jamia Masjid, Arcot Dargah,
BIJAPUR-586104, (Karnataka)

مترجمہ
محمد اکبرالدین صدیقی
لکچرار ایوننگ کالج۔ عثمانیہ یونیورسٹی

ستمبر ۱۹۶۶ء
قیمت دو روپے

صحیفۂ اہلِ ہدیٰ

(تذکرہ خاندان حضرت شاہ ابوالحسن قادری بیجاپور)

تالیف فارسی

سید محی الدین ابن سید محمود قادری

مترجم

محمد اکبر الدین صدیقی

مرتب کی دوسری کتابیں

۱۔ مشاہیر قدیم دکن
۲۔ پریم چند اور ان کی افسانہ نگاری
۳۔ فہرست مطبوعات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو جلد اول
۴۔ .... جلد دوم
۵۔ .... جلد سوم
۶۔ .... جلد چہارم
۷۔ چندر بدن و مہیار (مقیمی بیجاپوری)
۸۔ سیف الملوک و بدیع الجمال (غواصی) (انگریزی ترجمہ)
۹۔ کلام بے نظیر (کلیات بے نظیر شاہ وارثی)
۱۰۔ دیوان عشق (مرزا اجمال اللہ اورنگ آبادی)
۱۱۔ کلمۃ الحقائق (حضرت جانم بیجاپوری)
۱۲۔ یادگار امجد ....
۱۳۔ یادگار زور (سب رس کا زور نمبر)
۱۴۔ یادگار ہاشمی (سب رس کا ہاشمی نمبر)
۱۵۔ مثنوی کشف الوجود (سید داول بیجاپوری)
۱۶۔ خطوط عبدالحق (بابائے اردو)
۱۷۔ صحیفۂ اہل ہدیٰ ....
۱۸۔ شہادت نامہ (حضرت کمال الدین بیابانی)
۱۹۔ ارشاد نامہ (حضرت برہان الدین جانم)

سلسلہ مطبوعات حیدرآباد اردو اکیڈیمی ۱۵

نام کتاب : صحیفۂ اہل ہدیٰ (فارسی)
موضوع : تذکرہ خاندان حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری و
سید شاہ مصطفےٰ قادری بیجاپوری قدس سرہما
مصنف : سید محی الدین بن سید محمود۔
مترجم : محمد اکبر الدین صدیقی لکچرار الیونگ کالج عثمانیہ یونیورسٹی۔
کاتب : سید منظور محی الدین کلیانوی۔
مطبع : نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چارکمان حیدرآباد۔
قیمت : دو روپے

(ملنے کے پتے)

محمد اکبر الدین صدیقی ایم۔اے۔ معتمد اکیڈیمی
چار قندیل۔ آغاپورہ۔ حیدرآباد دکن

مہتمم صاحب حیدرآباد اردو اکیڈمی۔ اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار
حیدرآباد دکن

پیش لفظ

جب میں جولائی ۶۵ء میں دکنی مخطوطات کی تلاش میں بیجاپور پہنچا تو حضرت میراں سید مرتضیٰ صاحب قادری سجادہ نشین حضرات گیجی کل سے نیاز حاصل ہوا اور موصوف نے اپنی عنایت سے میری مطلوبہ کتابیں اپنے کتب خانے سے مطالعہ کیلئے عنایت فرمائیں ان کتابوں میں صحیفۂ اہل ہدیٰ بھی تھی جسکو حضرت ابوالحسن ثانی کی کتاب صحیفۃ الہدیٰ کا تکملہ سمجھنا چاہئیے۔ صحیفۂ اہل ہدیٰ سید محی الدین صاحب قادری کی تالیف کردہ ہے اس کا تکملہ ان کے پوتے سید عبدالرزاق صاحب نے کیا ہے۔ جناب سجادہ صاحب نے فرمایا کہ یہ شایع کردی جاسکے تو بہتر ہو میں نے ابتدائی اوراق کے مطالعے کے بعد عرض کیا کہ یہ فارسی ہے اور اس کی افادیت میں اسی صورت میں اضافہ ہوسکتا ہے کہ یہ اردو ترجمہ کی شکل میں شایع ہو۔ جناب سجادہ صاحب نے اس پر مسرت کا اظہار کیا کتاب کی نقل عنایت فرمانے کا وعدہ ہوگیا اور ایک مہینے کے اندر ہی نقل مل گئی کتاب کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بیجاپور کی نہیں بلکہ صرف ایک خاندان کی تاریخ ہے۔ بعض دو ایک ایسے تاریخی واقعات بھی اسمیں موجود ہیں جو تذکرۃ الملوک، گلزار ابراہیم (فرشتہ) تاریخ عادل شاہی اور بساتین سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اظہار واقعات کے سلسلے میں کئی علماء، فقراء اور مصنفین کے جستہ جستہ حالات ملتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں بہت کم علم تھا ممکن ہے کہ ان علماء کی تصانیف بھی برآمد ہوجائیں اور اس وقت حالات کی تلاش ہو مثلاً خاندان کے جد اعلیٰ حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری کے حالات اس میں تفصیل سے ہیں لیکن ان کی شعر و شاعری کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا۔ حالانکہ آپ کی دو نظموں کا پتہ چلا ہے ایک مثنوی کا نام سکھ انجن ہے جس کے دو نسخے ادارہ ادبیات اردو کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں اور دوسری نظم سجادہ صاحب کے پاس ہے یہ بہت مختصر ہے۔ دونوں کا

علاوہ کتاب روضۃ الاولیا بیجاپور، واقعات مملکت بیجاپور، تذکرہ اولیاء دکن اور تاریخ دکن کا ماخذ رہی ہے

موضوع تصوف ہے۔ "سکھ انجن" میں کھیل کھیل میں تصوف کی باتیں سمجھائی گئی ہیں اور طریقت اور حقیقت کے اسرار و غوامض سے پردہ اٹھانے کی سعی کی گئی ہے اسکا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

آو مرے پیارے کھیلیں آؤ — کھیلوں میں کچھ کھیل بناؤ
کھیل ہی ایسا کھیل ہووے — پیا من کا میل ہووے
جس کوں یو کھیل سوجے گا — پیو کی مارگ بوجے گا
یو کھیل نیارا رے لوگو — آپ کوں آپس میں دیکھو

ایک کھیل "آنکھ مچائی" کے نام سے کھیلا جاتا ہے۔ چند بچے جمع ہوتے ہیں اور کسی ایک لڑکے کی آنکھیں کھیل میں شریک نہ ہونے والا بند کرتا ہے کھیلنے والے ادھر اُدھر منتشر ہو کر چھپ جاتے ہیں۔ جب سب چھپ جاتے ہیں تو لڑکے کی آنکھیں کھول دی جاتی ہیں۔ وہ جس کو پکڑ لے اس کی آنکھیں بند کی جاتی ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری کھیل کا نام اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔

چھپنے چھپنے کا سو کھیل — آنکھ مچائی کرا وا تیل

اس کے بعد تصوف کی تعلیم دیتے ہوئے آیات و حدیث کے علاوہ مولانا روم کے اشعار کی تشریح۔ حضرت شاہ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوب سے اقتباس "حضرت ابا بکر صدیق" حضرت ابو بکر شبلی اور حضرت امام غزالی کے اقوال سے مثنوی کو آراستہ کیا ہے آپ نے بعض اشعار میں اپنے والد بدرالدین بدر عالم حبیب اللہ کا نام بھی شریک کیا ہے مثلاً۔

حبیب اللہ پیارے چھپ چھپ آور ے — دائی اپنے کوں چھاپ چھاپ جاور ے
دھوم اُجادن ہارا یو ! — شاہ علی حبیب اللہ پیارا ہو
محمد حبیب اللہ کا ہے — سایہ جل اللہ کا ہے

دو جگہ اپنا نام بھی بطور تخلص استعمال کیا ہے۔

جھومر کھیل جب کھلاؤ پیارے — ابوالحسن کوں بلاؤ بارے

کتاب کا نام اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

توحید یو کیا خوب چھپی ہے — آنکھ مچائی خاصی بنی ہے
نام اوس کا رکھ سکھ انجن — نینوں میں رکھ ابوالحسن

جستہ جستہ چند اشعار موضوع کے تعلق سے پیش ہیں۔

ایک کوں بولیا چپ رے توں — ایک کوں بولیا چھپ رے توں
جیتے چھپنا اپنا کام — تیتا تیوں کہا نام بدنام
ایسا کوئی کھیل کھیلو رے — گیندا اس پیو بات جھیلو رے
پیا من کا ہیت مل جاوے — ملنے جھلنے کا سکھ پاوے
یعنی میں معبود مگر — اللہ معبود ہے اکبر
تب کھیل ایسا جم جاوے — ملاء اعلیٰ یہاں خم کھاوے
جھومر کھیل جب کھلاؤ پیارے — ابوالحسن کوں بلاؤ بارے
خم کھا جھوم کھیلیں او — رحمت تجھ پہ رہلیں او
مل کھیلیں یوں جھوم پیا سیں — سکھ پاویں ایک ایسی حیا سیں
سکھ انجن یوں لاؤ نینا — سرمہ ہے او طور سینا
پیو دیکھین کا انجن ہے او — دو تن کا دل بھنجن ہے او

دونوں نسخوں میں بھی اس مثنوی کے ۱۱۸ اشعار ہیں ایک نسخہ کا ترقیمہ ہے۔

"میر محمد علی عرف پیر پاشا خادم جنات بتاریخ چہارم روز یکشنبہ شہر ذیعقدہ ۱۱۹۱ھ تحریر یافت بموجب فرمائش اسد محمد خاں سلمہ اللہ"

اسکی آخری سطر کرم خوردہ ہے اور حرف "در کتاب خانہ" کے الفاظ پڑھے جا سکتے ہیں۔

دوسرا نسخہ غالباً اسی نسخے کی نقل ہے جو سنہ ۱۲۱۰ھ میں لکھا گیا۔ ترقیمہ صرف اس قدر ہے۔

"تمام شد بتاریخ ششم ماہ ذیحجہ سنہ ۱۲۱۰ھ شریفہ معظمہ"

اس نسخہ میں رسم الخط قدرے تغیر شدہ ہے "کوں" کو "کو" "سیں" کو "نے" لکھدیا ہے، نہ کہیں اشعار میں تقدیم و تاخیر ہے اور نہ اختلاف۔

آپکی ایک اور نظم بعنوان توصیف دستیاب ہوئی ہے۔ چند شعر اسکے بھی ہدیہ ناظرین ہیں۔

توصیف

اے گلابی رنگ کے گل گوں بدن — گل دہن پستہ دہن گل پیرہن

لعل تجھ رخسار ہیں باغ ارم — رخ ترا گلزار ہے گلشن نمن

لب کی دیکھی جب ستی سرخی تری — ہے خجل لب کا تری لعل یمن

سیس پر سیس پھول سارا چاند ہے — ماہ ہور خورشید کا جیسا لگن

گوشوارے ہیں ترے کاناں کے بیچ — اسے ثریا کے ہیں خوشے دو کرن

دل مرا بیتاب جوں سیماب ہے — اے سبب چھبیلی چال کی چندر بدن

عرض خدمت ہے اتنے تیرے سجن — آٹکتی چال سیں دل کے محن

درس کا مشتاق ہے یو بوالحسن — اے مرے دل کی لگن جیو کے جیون

حضرت سید شاہ قاسم قادری بھی شاعر تھے آپکی ایک غزل اور ایک مستزاد تک رسائی ہوئی ہے دونوں ہدیہ ناظرین ہیں۔

غزل

شوق سوں میں یاد تیرے در پو آیا پھر گیا — آہ کا آرا سجن مجھ سر پو آیا پھر گیا

نیں دیا خربت شکر لب تشنہ لب کوں چاہ ہوا — بار بار دل تجھ لب کوثر پو آیا پھر گیا

نیں دکھایا تنتہ اپنے چہرۂ زر کی جھلک — میں تو کیا خورشید تیرے در پو آیا پھر گیا

سچ کہو تو... یار ہر پھر کے لگا مجھ سوں یاد — خواب میں یکدم مرے بستر پو آیا پھر گیا

کیوں نہ قاسم کو کیا بسمل ہے ظالم کہہ توں آج
بات تیرا میں دیکھیا خنجر پو آیا پھر گیا

مستزاد

ہم دار پہ منصور نمن غم کے چڑھے ہیں، تجھ عشق میں پیارے
کہتے ہیں جسے کوئی مرد ہیں مرد بڑے ہیں، ہم کیا ہیں بچارے
بے خود ہے خودی نیں ہے سجن ہم میں ذرا اب، سوگند خدا کی
جیوں گیسو ترے عشق کا طومار پڑے ہیں، پھر تم ہیں ادارے
کیا جانیں میاں تم ہمیں پہچانتے ہو کہ نیں، جو ہیں ہم تو خدا نیں
کاں جائیں تمہاری گلی اب باڑ پڑے ہیں، ہم سب کو بسارے
قاسم تو لب یار کے بوسے کا نہ دکھ شوق، یہ بات بھلی نیں
اس لال کے نذر پر بہوت ایک خون پڑے ہیں، کہتا ہوں پکارے

اس غزل اور مستزاد کی زبان قدرے صاف معلوم ہوتی ہے اس سے ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید بعد کے دور کے کوئی قاسم ہوں لیکن یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ حضرت سید شاہ قاسم قادری نے شمالی ہند میں بھی رہ کر علوم دینی اور طریقت کی تعلیم پائی ہے اس لئے ممکن ہے کہ ان کی زبان کا یہ رنگ ہو۔ چند رباعیاں بھی ہیں مگر تصدیق نہ ہو سکی کہ یہ انہیں کی ہیں۔ حضرت سید شمس الدین قادری بھی شاعر تھے۔ انکی ایک مثنوی علم سلوک میں دستیاب ہوئی ہے اس کے جستہ جستہ اشعار پیش ہیں۔

ایتا سن تو علم سلوک اختصار — اگر ہے تو اہل طریقت کا یار

شریعت سے خارج جنے ہوئے گا — تو اور راج مارگ کے تئیں کھوئیگا

شریعت کوں تو راج مارگ بچھان — کہ جس راج مارگ تیاں ان ہوا ماں

جو اس راہ کو چھوڑ کر جائے گا — تو کچھ ہلاکی او نے پائے گا

پڑے جا ہلاکی کے کھو نزیاں نیں — بھی غول بیاباں کے جھوریاں منیں

کھڈے کھوڑرے ہور کانٹیاں کے جھونپ — تھوے بیر کے او بلایاں کے مونپ

شریعت کی مارگ کوں چھوڑیا جنے — تو راہ ہلاکت کوں لوڑیا اونے

یہ ایک سو ایک اشعار کی مثنوی ہے۔ اس میں مقام ناسوت، مقام ملکوت، منزل جبروت، اور مقام لاہوت کا بیان ہے۔ آخری دو شعر ہیں۔

میاں شمس الدین حبیب کوں سوندے ⁂ یوں بچار و مجمل دیک کوں سوندے
بے نیاز ہے جگ سیر ملاں کی کر ⁂ بھی ذکراں اتی رکھتوں اسکی خبر

صحیفۂ اہل ہدیٰ میں جن بزرگوں کا ذکر ہے پتہ نہیں کہ ان میں اور کون کون حضرات شاعر اور ادیب تھے۔ پیش کردہ اشعار بھی پہلی دفعہ منظر عام پر آرہے ہیں۔ ان مثنویوں کو ترتیب کرکے علیحدہ پیش کیا جائے گا۔ ترجمے کے سلسلہ میں دو باتیں عرض کرنی ہیں۔ ایک تو یہ رسالہ کی فارسی زبان معیاری نہیں بلکہ دکنی فارسی ہے اور بزرگوں کے اسمائے گرامی کے ساتھ طویل طویل توصیفی کلمے استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت شاہ ابوالحسن قادری کے اسم گرامی کے ساتھ "ملاذ الجمہور، شفاء الصدور، مرشد الکاملین، سلطان العرفین، فرد الاحباب، قطب الاقطاب" استعمال ہوئے ہیں۔ میں نے طوالت کے خوف سے نظر انداز کر دیا ہے۔ دوسرے آخری حصہ میں بیجاپور کے تحفہ کا جہاں ذکر ہے اس میں بھی شاعرانہ انداز زیادہ پیدا ہوگیا ہے۔ اس لئے اس کا غیر ضروری حصہ جو تقریباً ایک صفحہ یا کچھ زیادہ ہوگا میں نے چھوڑ دیا ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام کتاب تقریباً لفظ بلفظ ترجمہ ہوئی ہے۔

قارئین سے عموماً اور حضرت شاہ ابوالحسن قادریؒ اور حضرت شاہ مصطفےٰ قادری کے اہل خاندان سے بطور خاص میری گذارش ہے کہ اگر ان کا یا ان کے اسلاف کا کلام خواہ نظم یا نثر میں اصل یا نقل جیسے ممکن ہو مجھے ارسال فرمائیں تو میں ان کی اشاعت کا انتظام کرسکوں گا۔ اگر اصل بھیجیں تو بجنسہ باخذ نقل واپس کی جائیگی۔

آخر میں میں حضرت میراں احمد الدین سید مرتضیٰ صاحب قادری عرف مرشدان سجادہ نشین درگاہ حضرت گھپی محل کا شکرگذار ہوں کہ موصوف نے مجھے صحیفۂ اہل ہدیٰ کی نقل اشاعت کیلئے عنایت فرمائی۔ چونکہ اس کا کوئی اور نسخہ کسی کتب خانہ میں نہیں ہے بس طباعت کے بعد اب یہ محفوظ ہوگیا ہے اور اس کے لئے حضرت سجادہ صاحب قابل مبارکباد ہیں۔

چار قندیل۔ آغا پورہ حیدرآباد دکن
۱۰ ستمبر سنہ ۱۹۶۶ء

محمد اکبر الدین صدیقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد بے حساب و ثنائے لاتناہی اس پاک ذات کبریا کے لئے ہے جو نقص و خطا کے شائبہ سے منزہ و مبرا و کھاوے اور شہرت کے داغ سے پاک و صاف ہے۔ اس نے تمام موجودات کو اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے منشا کے مطابق ایک جامع کلمہ سے عدم سے وجود میں لاکر تمام مخلوقات انبیا اور رسولوں کے بزرگ اور صاحب عظمت طبقہ کو زیب و زینت دی اور استحکام عطا کیا اور اس کے بعد اولیاء کاملین کے طبقہ کو ان کا وارث بنا کر جو تخلیق انسان کا اصلی سبب اور کائنات کے معرض وجود میں لانے کا اصل مقصد یہی ہیں، ذات قدسی کی معرفت و محبت کی خصوصیت کے لئے منتخب کیا ۔

اے ز دہم و خیال ما بیرون ⁂ ذات پاک منزہ از چہ و چون
کیست کو را مجال حمد و ثنا ⁂ بر تو حمد و ثنائے تو زیباست

درود بے کنار و رحمت بے شمار اس صاحب مقام محمود اور مالک علم سرور عالم و سردار بنی آدمؑ عارفوں کے سرتاج، اہل صفا کے مرشد، سید المرسلین، امام المتقین، مسافران منزل محبت کے قافلہ سالار و رہروان بادیہ قرب و معرفت کے پیشرو، ایسے سردار جن کی دوستی وسیلہ اور جن کی پیروی حصول سعادت ابدی کا ذریعہ ہے۔ اور ایسے سردار کہ آپکی مخالفت دوامی بدبختی کا حصول ہے جو افضل المخلوقات اور اشرف الموجودات، رہنمائے راہ شریعت اور امام الرسل حضرت محمد مصطفےٰ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی نجات یافتہ آل اور ہدایت یافتہ اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ہو۔

کمترین بندگانِ درگاہ باری سید محی الدین بن سید محمود بن سید مرتضیٰ
بن سید العارف قطب الاولیا حضرت سید شمس الدین قادری بن سید عبدالقادر
قادری ابن قطب العالمین غوث المسلمین السید شاہ مصطفےٰ قادری قدس اللہ سرہٗ
واسرارہم عرض پرداز ہے کہ میں نے اپنے حقیقی چچا اور مرشد حضرت سید عبدالقادر قادری
اور والد بزرگوار حضرت سید محمود قادری اور بعض دیگر ثقہ بزرگوں سے رحلت
کی جو تاریخیں وفات کے جو سنین اور حضرت سید مصطفےٰ قادری اور
ان کے اخلاف کے جو خوارق عادات سنے اس رسالہ میں بیان کردیئے ہیں۔
اس تالیف کا مقصد یہ تھا کہ نورچشم راحت جان برادر زادہ سید مرتضیٰ بن
سید محمد اطال اللہ عمرہٗ وحیاتہٗ اپنے آبائے کرام اور اجداد ذوی الاحترام
کے حالات کا خود مطالعہ کرے اور ان سے اس کی محبت و عقیدت
میں اضافہ ہو اور بزرگوں سے فطری عقیدت اور دلی رغبت میں استحکام
پیدا ہو کیونکہ اسی میں اس کی نجات و نجات ہے مرد وہی ہے جو ان بزرگوں
کو دوست رکھتا ہے۔ خواہ ان کے کردار کو نہ پہنچے۔ قرۃ العین مذکور
اور ان حضرات کے برخوردار جو اس رسالہ کو پڑھیں مصنف کو دعائے
نزول رحمت اور حسن خاتمت سے یاد کریں۔ وَھُوَ حَسْبِیَ اللہُ نِعْمَ الْوَکِیْل۔
میں نے اس رسالہ کا نام صحیفہ اہل ہدیٰ فی التاریخ آل مصطفےٰ رکھا
اور اس کو ایک مقدمہ سات فصلوں اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا ہے۔
مقدمہ میں ان اولیا کبار اور مشائخین عالی تبار کی تعداد اور اسما کا ذکر ہے
جو بیجاپور کے سواد کرامت سواد میں آسودہ ہیں۔
پہلی فصل پہلا صفہ:۔ ذکر بندگی حضرت شاہ مصطفیٰ قادری۔
دوسرا صفہ:۔ آپ کے برادر بزرگوار حضرت شاہ

ابوالحسن قادری اور برادر خورد حضرت شاہ قاسم قادری۔
دوسری فصل:۔ ذکر بندگی سیدنا عبدالقادر بن شاہ مصطفےٰ قادری۔
تیسری فصل:۔ ذکر قطب الاولیا حضرت سید شمس الدین قادری وغیرہ
فرزندان سید عبدالقادر قادری۔
چوتھی فصل:۔ ذکر فرزندان حضرت سید شمس الدین قادری اور ان کی اولاد۔
پانچویں فصل:۔ ذکر سید مرتضیٰ قادری بن سید شمس الدین قادری۔
چھٹی فصل:۔ ذکر سید عبدالقادر و سید محمود فرزندان سید مرتضیٰ قادری۔
ساتویں فصل:۔ ذکر اولاد سید محمود قادری بن سید مرتضیٰ قادری
خاتمہ:۔ ذکر تواریخ و سنین جلوس و رحلت سلاطین بیجاپور از ابتدائے
آبادی سے شہر ویران ہونے تک کے واقعات۔

مُقَدَّمَہ

اُن اولیائے کبار اور مشائخین عالی تبار کا ذکر جو
بیجاپور کے سواد کرامت آمود میں آسودہ ہیں۔

جو سادات اور مشائخین مشہور علما اور متقی بزرگان دین جو ولایت
اور کمالات کی صفت سے متصف ہیں انھوں نے اپنے گراں قدر وجود سے
اس خطہ پاک کو ہرات و بغداد کے مماثل بنادیا ہے اور یہ اس قدر زیادہ تعداد میں
ہیں کہ ان کے اسمائے گرامی اور تعداد کا اظہار مجھ جیسے ضعیف حوصلہ شخص سے ممکن
نہیں۔ لیکن ان میں سے بعض مشاہیر اور اکمل اولیا متقدمین و متاخرین کے
جلسائے مبارک حضرت سید ابی الحسن الثانی نبیرہ قطب الاقطاب حضرت
شاہ ابوالحسن قادری نے ماہ رجب ۱۰۹۶ھ میں کامل تحقیق کے ساتھ جمع فرمائے ہیں

انھیں یہاں پیش کیا جاتا ہے تاکہ یہ بندۂ ضعیف صالحین کے ذکر کی برکتوں اور رحمت کے نزول سے محروم نہ رہے۔

وہ اصحابِ کبار جو اندرونِ حصار بیجاپور آسودہ اور مرجعِ خلائق ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آثار حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت شیخ محمد معبری کھنڈایت، مخدوم شیخ معین الدین گنج العلوم سلطان پیر غزنوی، شاہ حافظ حسینی، حاجی رومی، پیر نصر اللہ حضرت شاہ ہاشم، شاہ برہان، میاں عبد الفتاح عاشق شاہ مراد خلیفہ جی، شاہ حمید نجفی، حضرت سید علی بنگالی، قلندر علی، حضرت شاہ قاسم پیر مقصود، پیر جھڑا جھڑ، شیخ محمد سرنج جنیدی، شاہ حضرت حسینی، میاں دادل جی، خواجہ معین الدین پیر نٹھے، علی شہید، پیر باباجی شہید، شاہ عبد السلام شطاری، خواجہ عبد الرحیم، شیخ کمال قادری شیخ میاں شہید، حضرت شیخ حمید الدین، حضرت شیخ لطف اللہ، حضرت شیخ عبد الصمد بزرگ، شیخ عبد الصمد خورد، سید مصطفیٰ، فرید شاہ حضرت شاہ عبد الرزاق، سید احمد قادری عرب، حضرت ملا یوسف مجذوب، حضرت شاہ اسمٰعیل مجذوب، پیر پیندل مجذوب، لعل خاں لکڑ مجذوب، سیدہ بیگم المعروف بہ حضرت بی بی قادریہ، حضرت بی بی صاحبہ قادریہ، شیخ احمد برقعہ پوش، سید عبد اللہ کھجوری، سید جعفر سقاف عرب، سید جعفر پیر شاہ، سید محمد تعظیم ترک، سید مغربی، عبد العلی شاہ شیخ، شیخ منصور، ملا محمد زبیری، قاضی ابراہیم زبیری، شاہ بھائی، لنگی مجذوب، شاہ محمود بخاری مجذوب، سید معین بخاری مجذوب، ہفت شہید، شیخ عبد العلی، جیجا بی بی، شاہ ابو المعالی جونپوری، حاجی فتح اللہ نوری، شیخ عبد اللطیف بن خوب محمد، سید محمد توکلی، سید ابو بکر حبشی،

بی بی صاحبہ چاہ، میر قاسم ٹرنماری، شاہ عبد العزیز قادری، شاہ خاکی مجذوب، شیخ زین الدین[1]، سید احمد نظیر، قاضی عسکر قاضی ضیف اللہ، پیر جنا، پیر بورلے، شاہ داؤد قاخانی، شاہ محمد مجذوب نوباغ، پیر بابے، شاہ نور الدین صفوی، شیخ جمال محمد قادری خلیفہ سید شاہ عبد القادر قادری بن عارف باصفا سید شاہ مصطفیٰ قادری، شاہ لنگی، سید محمد بخاری علی باغ، غالب شاہ، خضر شاہ، سید علی بخاری، سید عبد الرحمٰن عیدروس، شاہ عزیز دقاخانی[2]، شاہ عثمان مجذوب، شاہ توکل مجذوب، شاہ باز حسینی، شاہ عبد الاحد مجذوب، شاہ لاڈ محمد مجذوب، بی بی فتح شاہ، ہمشیرہ شاہ لنگی، شاہ باواجی، سید محمد، سید قطب، سید اونالے، سید منتجب، صاحبنی صاحبہ - عام صاحبہ -

وہ حضرات جو دروازہ زہرہ پور بیرون حصار بیجاپور آسودہ ہیں

شاہ عبد الواحد چشتی، ملا عبد الرحمٰن ہجوری، پیر شاہ علی، شاہ ہدایت اللہ حسینی، شاہ نور اللہ قادری، شاہ عبد اللطیف قادری، شاہ عتیق اللہ قادری، حاجی نعمت اللہ، شاہ حسن، شریف موجود، میاں بحر الفقیر، قاضی عبد الوہاب ملا حبیب اللہ شہر استاد، شیخ اسمٰعیل محدث، داجی نوشتی، سید عابد، میاں تاج محمد میاں شیخ الحق بحر الاسرار، سید عبد الرحمٰن قادری، شاہ عبد الغنی قادری، قاضی محمد اکمل کوفی، شاہ علاء الحق، شیخ یوسف میاں شریف شاخ شجرہ، جنید ثانی، شیخ نظام نارنولی، سید احمد قادری، حضرت بی بی شمس بنت میر عبد الاول، حضرت شاہ محمود، شاہ حسن فخر آبادی، سید احمد کربلائی، شیخ عبد الستار، میاں رحیم محمد زبیری،

---

[1] ممکن ہے خاقانی ہو۔ مترجم   [2] ممکن ہے دقاقانی ہو۔ مترجم۔

شاہ تقی بن شاہ ہاشم علوی، قاضی شاہ، درویش محمد جواں مرد، عبدالقادر تمیجاں، آغاری، شاہ ابوطالب حسینی، قاضی عبدالقادر ولد قاضی علی، محمد حسین خطیب بادشاہ پور، محمد شریف، سید علی محمد لاہوری، قاضی زین العابدین، شیخ ابو محمد شتوی خواں، قاضی محمد امین، سید علی از اولاد شاہ جیندا۔ مشاہ بڑے، امینہ شاہ فتح خالی مجذوب، شاہ نورالدین محمد، باوا پرکھا، شاہ جنگی۔

وہ حضرات جو دروازہ شاہ پور کے قریب بیرون حصار بیجاپور استراحت فرما ہیں

میاں سید مجذوب، سید مصطفےٰ حسینی، میاں خاکسار، میاں داؤد، میاں شاہ محبت، سید میراں شہید، ست علی، غلام علی، میاں محمود، میاں بنگالی فقیر، شیخ محمود خوش دہاں، شاہ سیف اللہ المشہور شاہ بندگی حسینی، شاہ میراں جی، شاہ برہان الدین، شاہ امین الدین، ملا ملک، ملا ظہور، شاہ غنی، شاہ شریف ریگ ریزاں، میاں بنگالی مجذوب، سید نور محمد قادری، عرض لنگ، شاہ علی حقانی، فتح خاں راست گو، شاہ محمد مکی خطیب مسجد جامع، قاضی سعید۔

وہ حضرات جو دروازہ دیانت پور مشہور بہ بہمنی پلی

بیرون حصار بیجاپور آرام کر رہے ہیں

سید محمد بخاری، سید عظمت پٹھان، شاہ مصطفےٰ بن شاہ ہاشم علوی۔ شاہ حبیب نوشہ باز، والد میاں داز محمد شاہ جمال پنج غسلی، سید احمد زین۔ شاہ باقر ذاکر، ملا محمد زبیری بزرگ۔

وہ حضرات جو دروازہ غسلی پور بیرون حصار بیجاپور آسودہ ہیں

حضرت میراں شاہ ابوالحسن قادری، میراں شاہ مصطفےٰ قادری،

سید عبدالقادر بن شاہ مصطفےٰ، شاہ نعمت اللہ بن شاہ ابوالحسن قادری، سید میراں، خوند اولیا، قاضی سید علی محمد، راجی ہاشمیہ، شاہ ابوالقاسم، میراں محمد بزرگ، میراں صاحب خورد، شاہ قطب، شاہ محمد، شاہ محی الدین، سید نور اللہ، سید احمد، سید اسمٰعیل، سید لطیف، صاحبہ راجی، امۃ السلام، امۃ الحفیظ، امۃ المجید، اچھو صاحبہ، سید محمود، بی بی عائشہ، سید جعفر قادری، سیدی عنبر مجذوب، شیخ یوسف، شیخ حسین، فقیر سیاح، حافظ تقی، حضرت شیخ علم اللہ محدث، شیخ ابوالمعالی حقیقت، میاں ابوتراب، میاں فیضو، بادشاہ صاحب مجذوب، شاہ بجلائی، مخدوم صاحب، شاہ قاسم مجذوب، میٹھے سوداگر، شیخ سلطان خوش نویس، شاہ موسیٰ قادری، شاہ دل شہید فیل، شاہ مظفر رفاعی، پیر میٹھے فتح پوری، شاہ محمد خلیل اللہ، سید احمد والد سید منجن، سدی عنبر جہیزی، سید لطیف، ماجی جی صاحبہ، بڑی صاحبہ۔

وہ حضرات جو بیرون حصار بیجاپور دروازہ ابراہیم پور کی طرف آرام فرما ہیں۔

حضرت میراں شاہ مرتضیٰ قادری، شاہ صوفی، شاہ ترکی، شاہ حسین، حافظ عبدالقادر، میر زین الدین علی، میاں حاجی ذاکر، میر آغا، میرزا شریف خواں، امام حسین شہید، میاں حمزہ فقیر، شاہ بہادر، بابا دہیلاک مجذوب، مستی جریدہ، مرزا عنایت اللہ، حیدر آقا، مقصود آقا، حاجی مبارک، حاجی سید شیخ صلاح، سید عماد حالتی، میاں خوب محمد، سید فرید، سید وجیہ ذاکر، میاں عبدالرحیم ذاکر، میاں بامشائخ، شیخ محی الدین واعظ، عبدالرحمن منتقی، شیخ احمد ورع، سید عبدالرحمن، سید چاند محمد، ابراہیم خاں، اللہ بخش، عزیز شاہ، شیخ سلیمان، قاضی عبداللہ، شاہ ہدایت اللہ صفوی، شاہ صبغۃ اللہ مجذوب۔

وہ حضرات جو دروازہ سار واڑ کی طرف بیرون حصار بیجاپور آسودہ ہیں

شیخ حسن رضا سرمست، شیخ ابوالوفا سرمست، شیخ ابوالقاسم سرمست، شیخ عبدالعزیز سرمست، سید احمد پاہ انگیز، شیخ عبدالقادر سرمست، شاہ ابوالعلی عرف منجھلے شاہ بزرگ، مشاہ حضرت تمغانہ داڑ، شاہ میرنا مینا، شاہ ابراہیم بزرگ، سید احمد عیدروس، سید احمد نظیر، سید عبداللہ بردوم و جمیع سادات عرب، سدی سا پا آثاری، شیخ احمد برقعے، میاں عبدالرحمن منگی خورد۔

فصل اوّل

ذکر حضرت میراں شاہ مصطفیٰ قادری و میراں شاہ ابوالحسن قادری

و برادر خورد شاہ قاسم قادری

میراں شاہ مصطفےٰ قادری ابن سید اولاد رسول اللہ میراں سید بدالعالم بدالدین حبیب اللہ ابن میراں سید عبدالقادر یوسف الثانی ابن سید شمس بہاءالدین عارف باللہ ابن سید یونس الثانی غریب النواز عرف لوستے پیر

۱؎ حضرت سید عبدالقادر یوسف ثانی کے دو فرزند تھے ایک سید بدرالدین بدر عالم حبیب اللہ اور دوسرے سید شرف الدین شرف عالم نعمت اللہ۔ شرف الدین شرف عالم نعمت اللہ کے ایک صاحبزادے سید عبدالرزاق قادری تھے جن کا مزار بیجاپور میں مرجع خلائق ہے۔ مزار پر شاندار گنبد ہے۔ سید عبدالرزاق قادری کی والدہ محترمہ بی بی شریفہ (باقی صفحہ ۱۷ پر)

ابن سید عبدالرحمن اشرف جہانگیر ابن سید شرف جہاں ابن سید ابی نصر محی الدین ابن سید عماد الدین ابی صالح نصر ابن سید تاج الدین عبدالرزاق ابن قطب الاقطاب غوث الصمدانی محبوب السبحانی ابو محمد السید عبدالقادر حسینی الحسنی الجیلانی الحنبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سیدنا شاہ مصطفےٰ قادری سید صالح، درویش مرتاض، کاسب صادق، صاحب ہیبت، ولی اللہ اور عالم باللہ بیجاپور کے مشائخین میں بلند مقام کے حامل تھے۔ صاحب شریعت بھی تھے اور درویشی میں بھی ثابت قدم

(صفحہ ۱۶ سے آگے) تھیں جو سید احمد قادری کی صاحبزادی تھیں جن کا سلسلہ یہ ہے۔ سید احمد قادری ابن سید شرف الدین قاسم بن سید یحییٰ بن سید بدالدین حسن بن سید علاؤالدین علی بن سید شمس الدین محمد بن شرف الدین یحییٰ بن سید شہاب الدین احمد بن سید عماد الدین ابی صالح نصر بن سید تاج الدین عبدالرزاق قادری ابن سلطان الاولیا سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ شرف الدین قادری نے اپنے خسر اور ماموں سید احمد قادری کے دست مبارک پر بیعت کر کے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا اور اپنے والد سید عبدالقادر یوسف ثانی سے بھی فیض پایا تھا۔ آپ کا مرقد بغداد میں ہے۔ آپ زیارات مقامات مقدسہ کیلئے گئے اور وہیں رحلت فرمائی۔ آپ کے فرزند سید عبدالرزاق قادری جو اس سفر میں آپ کے ہمرکاب تھے بغداد سے حبش گئے وہاں شہنشاہ حبش نے آپ کے تقدس اور زہد و ورع کو دیکھکر آپ سے اپنے لئے اولاد کی دعا کی خواستگاری کی۔ آپ نے دعا فرمائی اور جب لڑکا تولد ہوا تو اس نے محمد خاں نام رکھا اور لڑکے کو آپ کی خدمت کے لیئے دے دیا۔ آپ لڑکے کو ساتھ لے کر سیاحت کرتے ہوئے ابراہیم عادل شاہ کے آخر عہد میں بیجاپور پہنچے اور ربیع الثانی ۱۰۷۱ ہجری کو رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار دروازہ (باقی صفحہ ۱۸ پر)

۲؎ ابن سید رکن الدین ابی یوسف ابن سید حسن الدین ابوالحسن ابن سید محمد شمس احمد الدین

تھے۔ علوم ظاہری و باطنی سے متصف تھے۔ ان کے اوصاف جلیلہ اور خصائل پاکیزہ تھے۔ خلوت و عزلت میں صلاح و تقویٰ شیوہ تھا اور خیرات و عبادات خلق اللہ کی نظروں سے بچا کر کرتے۔ دنیاوی زیب و زینت سے متنفر تھے۔ آپ نے اپنے والد حضرت سید بدر العالم بدر الدین حبیب اللہ کے دست مبارک پر بیعت کر کے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ پیر محمد لطف اللہ بن شیخ موسیٰ کی خدمت میں رہ کر برکتیں حاصل کیں اور علماء وقت اور کملائے عصر اور شیوخ زمانہ کی صحبتوں میں رہے۔ غرض آپ کا شمار اولیائے کبار میں ہوتا ہے۔ آپ جب عزلت گزیں ہوئے تو آپ کی بارگاہ میں کوئی بھی حاضر نہ ہو سکتا تھا البتہ بعض طلباء جو حصول علم کی خاطر ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوتے آتے ان کا حال بھی کسی پر نہ کھلتا جیسا کہا گیا ہے کہ اولیا کا کمال اور منتہا ان کی بے صفتی اور بے نشانی ہے اور بے نشانی کا اشارہ کشف ذاتی ہے جس کا مقام نہایت اعلیٰ و ارفع اور درجہ نہایت بزرگ و برتر اور شریف ہے۔
آپ نے فقر کو اپنا شعار بنا لیا تھا چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

الفقر شفاء و سوائے الفقر مرض ؎ الجوہر فقر و سوی الفقر عرض
والفقر من العالم سرٌ و غرض ؎ العالم کلہ خداع و غرور

(صفحہ ١٧ سے آگے) زہر دیو رتاج بائن مشہور و زیارت گاہ خلائق ہے۔ محمد خاں مذکور سلطان محمد عادل شاہ کا وزیر مقرر ہوا تھا۔ آپ کے پائیں میں آسودہ ہے۔ اس کے مزار پر بھی ہشت پہلو گنبد ہے۔ حضرت عبدالرزاق قادری کے ایک ہی فرزند شاہ حضرت تھے جو لاولد فوت ہوئے (از خوارق رفاقیہ تالیف خواص خاں دکنی)

آپ کا مقام پیدائش شہر بیدر ہے لیکن وہاں حکومت میں انتشار لیکر آپ اور آپ کے بھائی شاہ ابو الحسن قادری نقل مقام کر کے بیجاپور تشریف لائے جبکہ بیجاپور میں سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی مشہور جگت گرو بن طہماسپ برادر بادشاہ کشور ستان رام راج کش سلطان علی عادل شاہ ولدان ابراہیم بن اسمٰعیل بن یوسف سریر آرائے سلطنت تھا آپ نے دروازہ علی پور اندرون حصار بیجاپور سے قریب سی بازار باشاہی انبار خانہ سے متصل جہاں اب محمد زماں برادر زادہ عمدۃ المشائخ محمد اکبر مرحوم کی حویلی ہے قیام فرمایا۔

حضرت سید بدر الدین بدر عالم حبیب اللہ قادری کے تین فرزند تھے ایک قطب الزماں شاہ ابو الحسن قادری جن کے اخلاف کی تفصیل علیحدہ بیان ہوگی۔ دوسرے شاہ مصطفےٰ قادری جن کا ذکر ہو رہا ہے تیسرے عالم باللہ سید محمد فضل اللہ المعروف بہ حضرت شاہ قاسم قادری جن کا ذکر علیحدہ پیش ہوگا۔

یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ حضرت شاہ قاسم قادری بیدر سے نکل کر اپنے بھائیوں سے علیحدہ ہوئے اور زیارت حرمین شریفین کے لئے چلے گئے۔ بعد فراغ حج مدینہ منورہ سے ہوتے ہوئے بغداد پہنچے اور اپنے جد اعلیٰ کی زیارت سے مشرف ہو کر ہندوستان کو مراجعت فرما ہوئے۔ شمالی ہند میں آپ کی ملاقات شاہ دلاور قادری سے ہوئی۔ شاہ قاسم آپ کی خدمت میں رہے اور سلاسل قادریہ چشتیہ و نقشبندیہ میں آپ سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور اپنے مرشد کے حکم کی بنا پر ابراہیم عادل شاہ جگت گرو کے عہد حکومت میں بیجاپور

پہنچے اور اپنے حقیقی بھائیوں سے ملاقات کرکے مسجد جنید خاں میں سکونت اختیار کی۔ آپ کا ذکر آگے تفصیل سے پیش ہوگا۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم عادل شاہ جگت گرو کے عہد حکومت میں عادل شاہ اور نظام شاہ میں لڑائی ہوئی۔ نظام شاہ نے ایک کثیر لشکر کے ساتھ قلعہ بیجاپور کا محاصرہ کرلیا۔ چار مہینے گذر گئے عادل شاہی افواج اس محاصرہ سے عاجز آگئیں اور جنگ کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ انہیں دنوں میں محمد بھرابھر مجذوب جو حضرت سید شاہ مصطفیٰ قادری کے مُرید خاص تھے۔ یہ کلمات کہتے ہوئے شہر میں صدا لگانے لگے۔ "جو شخص ہمیں دو اشرفی دیگا ہم اس کو اس سلطنت کا سلطان بنادیں گے اور بیجاپور کی سلطنت کی سند عطا کریں گے"۔ رفتہ رفتہ یہ خبر بادشاہ تک پہنچی سلطان ابراہیم عادل شاہ اولیاء اللہ کے حال سے واقف تھا پریشان ہوا۔ یہ بھی اطلاع ملی کہ مجذوب مذکور فصیل کے ایک دریچہ سے نکل کر نظام شاہ کے لشکر میں یہی صدا لگاتے پھر رہے ہیں کہ جو بھی ہمیں دو اشرفی دے سلطنت بیجاپور کی سند اس کو عطا کریں گے۔ چنانچہ نظام شاہی سپاہیوں میں سے ایک شخص نے مجذوب کو ایک اشرفی دی اور مذاقاً کہا کہ دوسری اشرفی سند دینے کے بعد پیش کردے گا۔ بھرابھر مجذوب نے اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور اسی دریچے کے راستے سے شہر میں لے آئے اور آواز لگائی کہ یہ شخص شہر کا بادشاہ ہے میں نے اس سلطنت کو دو اشرفی کے بدلے اس کے ہاتھ فروخت کردیا ہے۔ شہر کے لوگ متعجب ہوئے کہ یہ مجذوب عجیب طرح سے لاف زنی کرتا ہے۔ جب یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہنچی تو پریشان ہوا۔ اس نے خواب دیکھا کہ وہ ہزیمت اٹھا چکا ہے اور سلطنت اس کے

ہاتھ سے جاتی رہی ہے۔ نظام شاہ کا لشکر شہر میں داخل ہوا ہے اور نظام شاہ ایک شخص کو نظام سلطنت سپرد کرکے واپس ہو رہا ہے اور خود صحرانوردی کر رہا ہے۔ بادشاہ اس خواب سے بے حد پریشان ہوا۔ فوراً سید شاہ ابوالحسن قادری کی خدمت میں آیا اور خواب کی تعبیر چاہی آپ نے فرمایا کہ مجذوب مذکور شاہ مصطفیٰ قادری کا مرید ہے اگر وہ اس سلسلے میں کچھ کوشش کریں تو کام بن سکے ورنہ مجھ سے تو کچھ نہ ہوسکے گا۔ اگر آپ کو اپنی سلطنت کا تحفظ منظور ہو تو آپ شاہ ہاشم کے پاس جاکر انہیں یہاں لے آئیں۔ پھر ہم دونوں شاہ مصطفیٰ قادری کے پاس جاکر آپ کی سفارش کریں گے۔ اگرچہ میں بڑا بھائی ہوں لیکن مجھ پر بھائی کی ہیبت اور جلال غالب ہے۔ اور شاہ ہاشم اور شاہ مصطفیٰ راہ معرفت کے دوست ہیں اس لئے توقع ہے کہ ہم ہر دو کی سفارش غالب ہوگی۔ بادشاہ نے حسب الحکم شاہ ہاشم کے پاس پہنچکر واقعہ بیان کیا اور سفارش کیلئے سید شاہ ابوالحسن قادری کو لے کر شاہ مصطفیٰ قادری کے پاس چلنے کی درخواست کی۔ آپ نے اس کو قبول کیا اور بادشاہ کے ساتھ سید شاہ ابوالحسن قادری کے پاس آئے اور پھر دونوں مل کر بادشاہ کو لئے ہوئے شاہ مصطفیٰ قادری کے پاس پہنچے ان سے ملاقات کی اور کہا کہ بادشاہ وقت پناہ کی تلاش میں آپ کی خدمت میں آیا ہے۔ شاہ ابوالحسن قادری نے فرمایا کہ آپ کو اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ جب شاہ مصطفیٰ قادری نے واقعات دریافت فرمائے تو آپ نے اول تا آخر مجذوب اور بادشاہ کے خواب کی تفصیل سنائی۔ آپ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ مجذوب بھرابھر کو بلا لائے۔ خادم نے واپس آکر کہا کہ وہ

آنے سے انکار کرتے ہیں۔ پھر دوبارہ آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ تمھیں پیراں شاہ مصطفیٰ قادری بلاتے ہیں۔ خادم نے جب مجذوب کے سامنے مرشد کا نام لیا تو وہ پروانہ وار دوڑتا ہوا خدمت اقدس میں پہنچا اور بعد تعظیم و قدمبوسی باادب بیٹھ گیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے کہ تم نے سلطنت بیجاپور کو فروخت کیا ہے اور اس کی قیمت دو اشرفی مقرر کی ہے، میں نے تمھیں یہاں اسی سلسلے میں بلایا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ مجذوب نے جواب دیا اور کہا کہ اس شخص نے ایک اشرفی دی ہے اور سند دینے کے بعد دوسری اشرفی دینے کا وعدہ کیا ہے۔ شاہ مصطفیٰ قادری نے فرمایا کہ مجھے اس میں صحت نہیں معلوم ہوتی اگر صحیح ہو تو سند مجھے بتلاؤ۔ مجذوب نے فوراً بغل میں سے سند نکالی اور حضرت کے ہاتھ میں دیدی۔ آپ نے دیکھا سند پر سرور کائنات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ثبت ہے اور اس شخص کا نام بھی سند پر لکھا ہے۔ ساتھ ہی خلفائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستخط بھی ثبت ہیں۔ اس فرمان کو سب لوگوں نے دیکھا۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ مجذوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جگر گوشہ ہے چنانچہ حضرت شاہ مصطفیٰ قادری نے فرمان کو لے کر اس کی گولی بنائی اور منہ میں ڈال لیا۔ مجذوب نے شور مچانا شروع کیا کہ اے میرے مرشد آپ نے امانت میں خیانت کی۔ آپ نے فرمایا "اے نادان مجذوب" تماشا دیا فواسہ لیا"۔ مجذوب شور و غوغا سے باز نہ آیا تو حضرت شاہ مصطفیٰ قادری نے فرمایا تمھیں درگاہ خداوندی سے دعوت آئی ہے۔ یہ الفاظ سنتے ہی مجذوب نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ بھرماہر مجذوب کا مزار مشہور اور سجدہ گاہ خلائق ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد نظام شاہ کی

فوج میں وبا پھیل گئی اور ثقہ لوگوں سے سنا گیا کہ ایک دن تو دو ہزار اموات واقع ہوئیں۔ پھر عادل شاہی افواج نے سخت حملوں سے دشمن کو پسپا کر دیا۔ دو تین دن ہی میں نظام شاہ نے مجبور ہو کر محاصرہ اٹھا لیا۔ اور شکست کھا کر لوٹ گیا اور سلطان ابراہیم نے تعاقب کر کے نظام شاہ کو قتل کیا اور دارالسلطنت کو واپس ہوا۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ کو یقین ہو گیا کہ لشکر نظام شاہ میں وبا کا پھیلنا اور اس کا شکست کھانا حضرت مصطفیٰ قادری کی تائید باطنی و ظاہری تصرف ہے۔

یہ حکایت عوام و خواص سب کی زبان پر ہے۔ کہتے ہیں دو تین روز میں مرنے والوں کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ رہی۔ اس مرض سے خائف ہو کر فوج کے سپاہیوں نے اپنی فلاح کی تلاش میں راہ فرار اختیار کی اور بادشاہ کو محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور ہونا پڑا اُسنے راستے میں اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو لیا۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم عادل شاہ فقیر دوست تھا اور حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری کی ملازمت سے بہرہ مند تھا لیکن کبھی شاہ مصطفیٰ قادری کی خدمت میں باریاب نہ ہوا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ان کا گرویدہ ہوا اور ملنے کی خواہش ظاہر کی لیکن اجازت نہ ملی۔ آخر اس نے حضرت شاہ ابوالحسن کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے کہا وہ خلوت گزیں اور گوشہ نشیں ہیں کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔ وہ خاموش رہا تھا تاً ایک دن دربار میں بھی اس نے اپنی اسی خواہش کا اظہار کیا اور ایک شخص نے ملاقات کرانے کی ہامی بھر لی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ملاقات کیسے ہو گی؟ اس پر شخص مذکور نے کہا کہ حضرت سید شاہ مصطفیٰ قادری

صبح ہی حجرہ میں وظائف میں مشغول رہتے ہیں اور حجرہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور یہ غلام بھی وہاں حاضر رہتا ہے۔ اگر آپ بھی بغیر کسی تزک و احتشام و اسباب شاہی کے تشریف لائیں تو مراد کو پہنچ سکتے ہیں۔

بادشاہ نے حسب ہدایت بارگاہ حضرت سید مصطفیٰ قادری میں حاضری دی چونکہ آپ وظیفہ میں مشغول تھے اس لئے کوئی توجہ نہ فرمائی وظیفہ سے فارغ ہونے کے بعد خادم نے عرض کیا۔ یہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ہے۔ آپ نے بادشاہ کی طرف توجہ فرمائی اور پوچھا "کیسے آنا ہوا"۔ بادشاہ نے کہا کہ قدوم مبارک کو دیکھنے کیلئے" آپ نے کہا۔ دیکھ لیا اب گھر واپس چلا جا"۔ شاہ صاحب کا یہ جواب بادشاہ کو ناگوار ہوا۔ اس کے دل میں شیطانی خیالات نے جگہ لی اور گذشتہ واقعات کو بھول کر کہا کہ آپ کو دیکھا اب آپ کی کرامت دیکھنا چاہتا ہوں۔ آن حضرت پر جلال طاری ہوا اور آپ نے حجرہ کی چھت کی طرف نظر ڈالی جہاں ایک شگاف پڑ گیا تھا اور ایک نورانی شعلہ اوپر سے سید السادات اور ابراہیم عادل شاہ کے درمیان نیچے آیا۔ بادشاہ کی آنکھیں اس کے نور سے بند ہوگئیں اور اس قدر ہیبت غالب ہوئی کہ بے ہوش ہوا۔ جب آنحضرت کا غصہ فرو ہوا تو پھر آپ نے چھت کی طرف نگاہ کی اور شعلہ اوپر جا کر غائب ہوگیا جب بادشاہ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا ہوا کہ بادشاہ اور فقیر کے درمیان چاند آگیا تھا۔ اگر سورج آجاتا تو تیرا چہرہ سیاہ ہوجاتا۔ اب جا اور فقیروں اور گوشہ نشینوں سے کرامت کی تلاش نہ کر۔ بادشاہ نہایت نادم ہوکر واپس ہوا۔ وہ ابھی اپنی ندامت کا اظہار ہی کر رہا تھا کہ بارگاہِ سید مصطفیٰ قادری میں پہنچانے والا بادشاہ کا مصاحب آپہنچا۔ بادشاہ نے

اس سے کہا کہ مجھ سے یہ غلطی سرزد ہوئی ہیں اس کے لئے عفو تقصیر چاہتا ہوں۔ وہ خاموش رہا لیکن بادشاہ نے دوسرے دن سویرے لباس تبدیل کیا اور پروانہ وار بارگاہِ حضرت پر حاضری دی۔ اس نے دیکھا کہ آنحضرت پانی سے بھرا ہوا لوٹا لئے حجرہ کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔ بادشاہ راستہ ہی میں آپ کے قدموں پہ گرا۔ آپ نے پوچھا "اب کیوں آیا ہے؟" جواب دیا کہ مجھ سے حضور کی جناب میں گستاخی سرزد ہوئی ہے۔ اس کی معافی کا خواستگار ہوں اور چاہتا ہوں کہ روزانہ حضور کی زیارت کے لئے آیا کروں کہ یہ میرے لئے باعثِ سعادت ہے۔ یہ سن کر آپ غضبناک ہوئے اور فرمایا "دیکھ جدھر کو دیکھ ادھر کو مصطفیٰ ہی مصطفیٰ ہے۔ ایسا دیکھیو کہ پھر دیکھن پائیو"۔ مفہوم یہ تھا ہر طرف مصطفیٰ ہے۔ اس کو اس طرح دیکھو کہ دوبارہ دیکھنے کی آرزو نہ رہے۔ اس وقت بادشاہ نے دیکھا کہ اسی مقام پر جہاں حضرت موصوف لوٹا ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں آپ کے سوا کوئی نہیں، وہ جدھر بھی نظر ڈالتا ہے۔ ہر طرف آپ کو اسی حالت میں کھڑا پاتا ہے۔ کوئی جگہ آپ سے خالی نظر نہ آئی حتیٰ کہ جب اس نے درختوں پر نظر ڈالی وہاں بھی یہی کیفیت دیکھی کہ آپ لوٹا لئے کھڑے ہیں۔ اب بادشاہ حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ آخر اصل ذات والا صفات کون سی ہے اس لئے کہ ہر طرف اس نے آپ ہی کو کھڑا پایا۔ بادشاہ کے دل پر ہیبت طاری ہوئی اور وہ بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑا۔ کچھ عرصہ بعد خادم اور وزرا بادشاہ کی تلاش میں یہاں آنکلے اور اس کو بے ہوش پاکر پالکی میں ڈال کر لے گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ حضرت سید شاہ

ابوالحسن قادری کے پاس آیا اور واقعہ بیان کیا۔ آپ نے دوبارہ ملاقات نہ کرنے کی تاکید کی کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی بددعا سے سلطنت کو گزند پہنچے۔

قاعدہ تھا کہ سید السادات اپنے بڑے اور چھوٹے بھائی کے ہمراہ طعام تناول فرماتے۔ اس دن جب کھانے کا وقت ہوا۔ حسبِ معمول شاہ ابوالحسن قادری نے دونوں بھائیوں کو طلب کیا۔ حضرت محمد فضل اللہ معروف بہ سید شاہ قاسم قادری آگئے اور حضرت سید مصطفیٰ قادری نے جواب دیا کہ فقیر آج کے دن تک چھپا ہوا تھا تین نوبت گذرے کہ راز ظاہر ہو گیا ہے اس لئے اب فقیر حجرہ سے باہر قدم رکھنا نہیں چاہتا آٹھویں دن فقیر کی میت ہی حجرہ سے برآمد ہو گی۔ پھر دونوں بھائیوں نے طعام تناول فرمالیا۔ بزرگانِ ثقات سے یہ سُنا گیا کہ اس دن حضرت سید مصطفیٰ قادری نے اپنے چھوٹے بھائی سید شاہ قاسم قادری کو طلب کرکے خرقہ بیعت عطا کیا اور فرمایا کہ اے بھائی! میرے بعد یہ خرقہ میرے فرزند سید عبدالقادر کو دو اور صاحبزادے کو طلب کرکے نصیحت فرمائی اور دوسرا خرقہ پہنا کر سر پر دستار باندھی۔ آپ نے حسبِ بیانِ بالا ۱۳ شعبان کو رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار بیجاپور کے حصار سے باہر الٰہی پور کے دروازے کی طرف ہے اور بائیں میں مسجد ۔۔۔ اور بادلی سے ملحق آغا خرم مرید آنحضرت اور اس کے اہل خاندان کے مزار ہیں۔

مغربی جانب سید علی محمد و سید محمد میراں قدس سرہما اور استاد الاولیاء حضرت شیخ علیم اللہ محدث کے مزار ہیں اور مزاری کا باغ ہے۔ آپ کا مزار سنگین چبوترہ پر پختہ بنا ہوا ہے۔ اس چبوترہ پر تین مزار ہیں۔ قبلہ کی

طرف ایک مزار ہے اور پائیں میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے یہی آپ کا مزار ہے اور آپ کے پہلو میں مشرق کی جانب آپ کی زوجہ محترمہ آسودہ ہیں اور آپ کے پائیں میں آپ کے فرزند آرام کر رہے ہیں۔ چبوترے کے اطراف نیم اور بڑ کے درخت ہیں۔

سید السادات حضرت مصطفیٰ ؎ محترم آل نبی ! مجتبیٰ
برگزیدہ بود نزد کردگار ؎ درمیان اولیا آن مقتدیٰ
متصف بود او زاخلاق رسولؐ ؎ مظہر اخلاق ذات مرتضیٰ
منبع علم لدنی سینہ اش ؎ گوہرش از سرحق شد ممتلیٰ
سیزدہ تاریخ شعبان ماہ بود
نوش کردہ از قضا جام سقیٰ

آپ نے سنت تزویج کی بھی تکمیل فرمائی تھی اور آپ کا عقد بی بی جمال صاحبہ سے ہوا تھا جو نہایت عابدہ صالحہ متقیہ اور عارفہ تھیں۔ آپ کا تعلق شیخ الاسلام قطب الانام حضرت سید شاہ محمد ملتانی بیدری کے خاندان سے تھا۔ آپ کے بطن سے ایک فرزند سید عبدالقادر ہوئے جن کا ذکر دوسری فصل میں کیا جائے گا۔ آپ کی تاریخ وفات ۲۰ شعبان اور مزار والدہ کے پہلو میں ہے۔

حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری ابیدری ثم البیجاپوری قدس اللہ سرہٗ

حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری سید بدر العالم بدرالدین حبیب اللہ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کا شمار مشائخین کبار بیجاپور میں ہوتا تھا

آپ سیدۂ حق تھے۔ شریعت کے پابند تھے اور تمام طریقوں اور علوم میں اپنے پدر بزرگوار کے مرید اور شاگرد تھے۔ آپ نے اکثر علماء کرام کی صحبت اختیار کی۔ خصوصاً آپ نے پیر محمد لطف اللہ بن شیخ موسیٰ و شیخ زین الدین و شاہ کمال الدین قدس سرہم سے برکات حاصل کیے۔ اپنے والد کے وصال کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ خلق اللہ کو ہدایت فرمائی اور رہبر عالم بنے۔ آپ کے کمالات کی شہرت اطراف واکناف میں پھیل گئی اور ہر طرف سے عوام آپ کے پاس رجوع ہونے لگے اور اس طرح آپ کا فیض بھی پھیل گیا۔ بہت سے ناقص کامل اور رحق سے واصل ہوئے۔ آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ سید عبدالقادرؒ، سید نعمت اللہؒ، سید بدرالدینؒ، سید ابوالقاسمؒ اور سید محمد میراں۔ یہ سیدہ بی بی فاطمہ سلطان بنت سید محمد نبیرہ شاہ نعمت اللہ ولی الحسینی کے بطن سے تھے۔ یہ سب بھائی کامل و مکمل، یکتائے زمانہ اور رہبر و ہادی خلق سب علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ ور اور پابند شریعت اور خلق اللہ کے پیشوا ہوئے ہیں ان میں حضرت سید شاہ نعمت اللہ سے بڑے بڑے کمالات ظاہر ہوئے اور جس نے بھی دست بوسی کی وہ مرتبہ ولایت کو پہنچا۔ یہ پانچوں بزرگوار اپنے والد کے مرید اور خلیفہ ہوئے اور سب صاحب اولاد تھے جن میں بڑے بڑے صلحاء و علماء پیدا ہوئے۔ چنانچہ حضرت سید عبدالقادر قادری ابن حضرت سید شاہ ابی الحسن قادری قدس سرہما کو حضرت بی بی امۃ المجید بنت سید اعظم المعروف بہ سید محمد میراں کے بطن سے سید ابی الحسن ثانی المعروف بہ گورے حسن کنکالی پیدا ہوئے۔ آپ بہت بڑے عالم عامل فاضل متبحر اور فقیہ و ادیب اور پابند شریعت و طریقت تھے۔ آپ علوم و

اسرار حقائق سے بھی آگاہ تھے اور ہمیشہ ذکر و شغل میں رہتے۔ آپ اپنے چچا حضرت سید شاہ نعمت اللہ قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ اپنے والد چچاؤں اور ماموں سے بھی فیض و برکات پائے تھے۔ آپ نے اپنے ماموں سید شاہ اسمٰعیل بن سید میراں حسین سے بھی اجازت و برکات حاصل کی تھیں اور حصول علم کیلئے اپنے چچازاد بھائی سید شاہ نوراللہ بن استاد الکاملین حضرت قاضی سید علی محمد برادر سید میراں حسینی از اولاد حضرت بندہ نوازؒ کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا تھا۔ سید ابی الحسن ثانی مقتدائے وقت تھے اور خلق اللہ کو انھوں نے بے کراں فیض پہنچایا۔ ان کے انفاس کی برکتوں سے اکثر طالبان ہدایت نے راہِ راست پائی۔ آپ کی تالیفات میں مخزن السلاسل الحسینیہ ہے جن میں (۱۹۱) اسناد و خلافت کا ذکر ہے اور شجرہ حسینیہ قادری میں خلفاء کے اسمائے گرامی کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ عمارتوں میں روضہ حضرت شاہ قاسم قادری سے متصل خانقاہ قادریہ جو سی بازار میں بیجاپور کے حصار کے اندر واقع ہے آپ کی تعمیر کردہ ہے۔ خانقاہ قادریہ کی تاریخ "خانقاہ قادریہ باد ابد آباد" ۱۰۹۹ھ۔ آپ کثیر العیال تھے اور آپ کے اخلاف بھی یگانہ زمانہ ہوئے ہیں۔ آپ کی اولاد اب بھی بیجاپور، مدگل اور تالی کوٹ میں موجود ہے۔ آپ ۱۰۴۴ھ میں بیجاپور میں پیدا ہوئے اور ۹۲ سال کی عمر میں ۵ شعبان ۱۱۳۶ھ کو وصال فرمایا۔ آپ کا روضہ موضع کنکال پرگنہ تالی کوٹ میں ہے جو بیجاپور کے مشرق میں ۱۲ کوس کے فاصلے پر ہے۔

سید بدرالدین بن شاہ ابوالحسن قادری بھی عالم باعمل اور

دانائے رموز و اسرارِ حقیقت و معرفت تھے اور اپنے بزرگوں کے سجادہ نشین ہو کر خلق اللہ کی رہبری کی۔ آپ کا مزار بریندہ میں مرجع خلائق ہے اور آپ کی اولاد بریندہ اور کندر میں سکونت رکھتی ہے۔ ایسی ہی خدمت شاہ ابوالقاسم بن شاہ ابوالحسن قادری کے لڑکے سید ابوالحسن المعروف بہ کالے حسن سے ظہور میں آئی۔ آپ بھی بیجاپور میں اپنے دور کے متقی اور پرہیزگار مشائخین میں تھے۔ آپ کی اولاد بیجاپور اور ارکاٹ میں قیام پذیر ہے۔

حضرت شاہ نعمت اللہ بن شاہ ابوالحسن قادری کی اولاد جنیر میں ہے اور یہ لوگ بھی اپنے زہد و ورع میں مشہور رہیں۔ شاہ محمد میراں بن سید شاہ ابوالحسن قادری کے اخلاف بیجاپور ہی میں سکونت رکھتے ہیں۔ ان کے فرزند کا نام سید ابوالحسن عرف پیر صاحب ہے۔ سید محمد میراں کا انتقال ۱۴ جمادی الاول کو ہوا۔

چونکہ حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری کے فضائل و کرامات اور آپ کی اولاد بہت ہے اور اس مختصر سے رسالے میں اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے مختصراً اس بیان کو ختم کیا جاتا ہے اور آپ کے خرقِ عادت کے دو واقعات پیش کئے جاتے ہیں جو مولوی محمد اکرم بن محمد خلیل الرحمن ابن خادم العلماء سے سنے ہیں اور سید علی موسوی القادری حیدرآبادی صاحب مشکوٰۃ النبوۃ نے مکاشفہ قادریہ کے حوالے سے لکھا ہے۔ صاحب مکاشفہ قادریہ کا بیان ہے کہ سید عبدالقادر یوسف الثانی بغداد سے دکن واپس ہو کر بیدر میں قیام پذیر ہوئے آپ سبعہ قادریہ میں سے تھے۔ آپ کے پوتے میراں سید شاہ ابوالحسن قادری جب

سلطان ابراہیم عادل شاہ جگت گرو کے عہد میں بیجاپور پہنچے۔ اس وقت وجے پال نامی ایک جوگی موجود تھا جس سے سلطان کو بہت عقیدت تھی اور روزانہ اس کے پاس آمد و رفت تھی۔ جوگی سے اس عقیدے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ کی ایک لڑکی کا اچانک انتقال ہو گیا۔ بادشاہ کو اس سے بے حد انست و محبت تھی۔ بادشاہ نے شور و غوغا مچایا۔ جوگی یہ سن کر آیا اور کہا کہ اگر بادشاہ میری بات مانیں تو اس لڑکی کو زندہ کروں گا۔ بادشاہ نے قبول کیا۔ اس نے مہادیوی سرسوتی کی پوجا کا سامان منگوایا اور مورتی بٹھانے اور مردہ کو اسی حجرہ میں بند کرنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ جوگی ماہر موسیقی تھا۔ اس نے موسیقی شروع کی کہتے ہیں اس نے ابھی اپنا نصف راگ بھی ختم نہیں کیا تھا کہ مردہ کے جسم میں لرزہ پیدا ہوا اور راگ کے ختم ہونے تک مردہ میں جان آگئی۔ رقص و سرود کا آغاز ہوا اور بادشاہ اور اس کے تمام درباری جوگی کے معتقد ہو گئے۔ اس دن سے مہا سرسوتی دیوی کی مورتی محل میں نصب کی گئی۔ اور ہندوؤں کی طرح بادشاہ نے پوجا بھی شروع کر دی۔ جب سید شاہ ابوالحسن قادری بیجاپور پہنچے تو لوگوں نے یہ واقعہ آپ کے گوش گذار کیا اور درخواست کہ آپ کے موجود ہوتے ہوئے بادشاہ کی جوگی کے پاس آمد و رفت مناسب نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ سلطان جوگی سے منحرف ہو اور ہمارے پاس آئے۔ لوگوں نے کہا ہاں ہماری یہی خواہش ہے۔ آپ نے کمہار کے آوے کی ٹھیکری منگوائی اس پر ایک نقش لکھا اور

خادم کو دے کر کہا کہ جب بادشاہ جوگی کے پاس جانے لگے۔ یہ نقش اس کو بتلائے۔ خادم نے ایسا ہی کیا۔ سلطان جوگی سے برگشتہ ہو گیا اور حضرت سید ابوالحسن قادری کی قیام گاہ کا رُخ کیا خادم نے سلطان کی آمد کی اطلاع دی۔ آپ نے سلطان کو اپنے پاس بلایا۔ وہ اپنے کئے پر بہت کچھ اظہار ندامت کرتا رہا۔ آپ نے نصیحت کی کہ اے سلطان آج آپ کا دل مولا کی طرف رجوع ہوا ہے اس کو ایک بڑی دولت سمجھئے اور اس کی طرف قدم بڑھایئے۔ حقیقت کے آفتاب نے آپ پر روشنی ڈالی ہے اور آپ کا دل خدا کی طرف راغب ہوا ہے۔ آپ جس کو مناسب سمجھیں پہلے تجربہ کریں اور پھر وہ جس خدمت کے لائق ہو اس کو نوازیں اور اس کو اپنا شعار بنالیں۔ اس کو غیبی امداد سمجھیں اور اس سے منحرف نہ ہوں۔ خدا کے خیال سے غافل نہ رہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے رہیں۔ خواب ہو یا بیداری حضور ہو یا غیب ہر وقت اس کو یاد رکھیں اور ایک لمحہ بھی اس کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ ہوا و ہوس کے بتوں کو دل سے نکالیں اس کی محبت کے شوق میں شاد رہیں تو دونوں عالم کے قیود سے آزادی حاصل ہوگی۔

آپ کی اس نصیحت پر بادشاہ کا اعتقاد راسخ ہوا اور آپ کے پاس حاضری دینے لگا۔ جوگی نے دیکھا کہ بادشاہ جو روزانہ آتا تین دن گذرے نہیں آیا اس لئے وہ خود بادشاہ کے دربار میں پہنچا بادشاہ نے داخلہ کی اجازت نہ دی۔ جوگی نے معروضہ پیش کیا کہ مجھے بادشاہ کے حضور میں کچھ عرض کرنا ہے۔ اُس نے معلوم کرلیا تھا کہ

بادشاہ نے حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری کی وجہ سے مجھ سے روگردانی کی ہے۔ جب اجازت ملی تو اس نے اشارۃً کہا کہ اے بادشاہ اس شہر میں کئی جادوگر ہیں اور انھوں نے آپ پر سحر کیا ہے۔ بادشاہ نے کہا اے ملعون تو انھیں جادوگر نہ کہہ وہ ولی اور غوث وقت ہیں۔ جوگی نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو آپ اور میں وہاں چلیں اور انھیں آزمائیں اور امتحان اس طرح کریں کہ اگر وہ ولی ہوں گے تو راستہ میں ایسی بارش ہوگی کہ ایک قطرہ دودھ کا اور ایک قطرہ گھی کا ہوگا اور جب ان کے روبرو پہنچیں تو ان کے سامنے دودھ کا پیالہ بھرا ہوگا اگر ایسا ہوگا تو میں انہیں ولی سمجھوں گا۔ چنانچہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے نکلے۔ اثنائے راہ میں ایسی ہی بارش ہوئی۔ اور جب آپ کے سامنے پہنچے تو دودھ کا پیالہ دھرا پایا۔ جوگی آپ کی ولایت کا قائل ہو کر قدموں پر گر پڑا اور کفر سے توبہ کر کے اسلام قبول کیا۔ آپ نے اس کا نام رکن الدین رکھا[1]۔ بادشاہ نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کی لڑکی اجے پال جوگی کے سحر کی وجہ سے زندہ تھی۔ اس کا نام زہرہ سلطانہ تھا۔ اس واقعہ کے کچھ دن بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ دوبارہ زندگی کے بعد شہزادی نے کنیزوں

---

[1] جوگی رکن الدین کی قبر روضہ سید شاہ ابوالحسن قادری سے ڈیڑھ سو قدم کے فاصلہ پر مشرق کی طرف ہے۔ اہل ہنود اس کو رکانگ پنڈٹ یا رکن پنڈت کہتے ہیں۔ ہندوؤں کی طرح سمادھی بنائی گئی ہے۔ (مؤلف)

اور شہر کی رعایا پر بڑے ظلم توڑتے تھے۔ بادشاہ اس کے انتقال کے بعد امور سلطنت سے قطع تعلق کرکے اس کی قبر کا مجاور بن گیا۔ اور سلطنت کے کاروبار متاثر ہونے لگے..... عمائدین سلطنت حضرت سید شاہ ابوالحسن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض حال کیا اور درخواست کی کہ آپ تکلیف کرکے سلطان کو سمجھائیں۔ آپ سلطان کے پاس گئے۔ زہرہ سلطانہ کی قبر پر جلال کی نظر ڈالی۔ اپنے عصا سے قبر پر ایک ضرب لگائی۔ قبر میں شگاف پڑ گیا، اور اس سے آگ اور دھواں نکلے حضرت موصوف نے غضبناک ہو کر سلطان سے فرمایا کہ باہر ایسی آرائش اور اندر ایسی آگ۔ قبر کی آرائش تو کی لیکن اس آگ کے عذاب سے بچانے کی تدبیر نہ کی۔ تیری لڑکی تو پہلے ہی مر چکی تھی لیکن شیاطین اس کے جسم میں حلول کر گئے تھے۔ اسی لئے تیری لڑکی کا خاکی جسم اصل روح کی حرکات کا مظاہرہ کرتا رہا۔ اب جبکہ جوگی نے اسلام قبول کر لیا شیاطین نے بھی اس کے جسم سے راہ فرار اختیار کی۔ اب قبر پر تیرا معتکف ہو کر بیٹھنا کام نہ آئے گا۔ اٹھ اور اس کی مغفرت کا سامان کر۔

بادشاہ نے حضرت موصوف کے حکم کی تعمیل کی اور صدقہ و خیرات کیا اور آیات مغفرت اس کے مزار پر کندہ کروائے۔

غرض یہ کہ آپ کی کرامات بے حساب ہیں جن کا تحریر کرنا مشکل ہے۔ ایک اور حکایت محمد اکرم ابن محمد خلیل الرحمن سے یہ سنی گئی کہ اسی دور میں ایک نہایت مشہور اور جری پہلوان اسرافیل دکنی نامی تھا۔ قوت اور زور آوری میں اس کا کوئی جواب نہ تھا اسی لئے وہ بادشاہ کا مقرب تھا۔ اس کی مصاحبت امراء اور عمائدین کے لئے باعث حسد

بن گئی تھی۔ انھوں نے ایک دن بادشاہ سے کہا کہ اسرافیل اپنی قوت اور شجاعت پر بہت نازاں ہے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتا اس لئے اس کا امتحان ہونا چاہیئے۔ بادشاہ نے اس کو طوعاً و کرہاً قبول کیا۔ اور یہ طے پایا کہ بادشاہ کھلی جگہ دربار عام کریں۔ جب لوگ جمع ہو جائیں تو فیل خانے کے داروغہ کو حکم دیں کہ وہ مست ہاتھی کو مجمع کی طرف لے آئے۔ تمام لوگ ہٹ جائیں اور اس وقت دیکھیں کہ اسرافیل کیا کرتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ دربار عام ہوا لوگ جمع ہوئے اور فیلبان نے مست ہاتھی کو لاتے ہوئے آواز لگائی کہ ہاتھی میرے قابو میں نہیں۔ سب لوگ ہٹ گئے لیکن اسرافیل اسی طرح بیٹھا رہا اور ہاتھی نے اس پر حملہ کر دیا۔ جواں مرد پہلوان جو بادشاہ کی خدمت میں ہاتھ باندھے بیٹھا تھا اس نے اپنے پہلو قدرے کشادہ کئے اور ہاتھی نے اپنی سونڈ اس کی طرف بڑھائی کہ اس کو لپیٹ کر دے پٹکے لیکن اسرافیل نے سونڈ کو بازوؤں میں پکڑ اس قدر دبایا کہ وہ زور سے چنگھاڑا اور زمین پر گر گیا۔ فیلبان نے شور مچایا کہ یہ ہماری خاص کا ہاتھی ہے کہیں ہلاک نہ ہو۔ لوگوں نے بھی یہی بات کہی تو اسرافیل نے چھوڑ دیا۔ ہاتھی کی مستی اتر گئی اور وہ اٹھ کر بھاگا۔ اسرافیل نے سمجھ لیا کہ یہ سب کچھ میرے امتحان کے لئے تھا۔ غضبناک ہو کر چبوترہ پر ایک گھونسہ مارا جس سے گچ سے بنا ہوا چبوترہ سو گز گہرا تڑاک کر سب تہ و بالا ہو گیا۔ اسرافیل وہاں سے اٹھ کر گھر آیا اور سلطان کی ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کی۔ بادشاہ نے بہت بلایا اور خدمت میں رہنے کیلئے سمجھایا لیکن اس نے قبول نہ کیا اور کہا کہ دنیا سے مجھ کو اہل اللہ کے زمرہ میں شامل ہونا چاہیئے لیکن کوئی ایسا مرشد ملے جو قوت میں مجھ سے بڑھ کر ہو۔

اس نے اپنے دوستوں میں اس کا ذکر کیا اور پوچھا کہ مرشد کی آزمائش کس طرح ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ جمعہ کی نماز کیلئے جامع مسجد میں بہت بڑے بڑے بزرگان دین آتے ہیں۔ مسجد کے تین طرف تین دروازے ہیں۔ ہر جمعہ کو ایک ایک دروازے پر بیٹھ کر ہر آنیوالے سے مصافحہ کر کے قوت کو آزمانا چاہیئے۔ چنانچہ اس طرح چند جمعہ گذرے اور لوگ اس کے مصافحہ سے تنگ آگئے۔ اتفاقاً ایک جمعہ کو حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری شرقی دروازہ سے باہر نکلے۔ اسرائیل اس دروازے پر موجود تھا۔ اس نے فوراً مصافحہ کیا اور قوت آزمائی کی لیکن ناکام رہا جب وہ ہار گیا تو حضرت موصوف نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ عاجز اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد حضرت کے قدموں پر گرا اور آپ کے پیچھے ہولیا۔ آپ ہی سے راہ ہدایت پاکر واصل بحق ہوا۔

ثقات معتبر سے سنا گیا ہے کہ جب خادم آپ کے سر پر چنور اور مورچل ہلاتے تو ان کے ہر بال سے نور کے ذرات خارج ہوتے دکھائی دیتے۔

آپ کا وصال ۱۶ ربیع الثانی ۱۰۷۵ھ کو ہوا۔ آپ کی زیارت گاہ بیجاپور کے حصار سے باہر اعلیٰ پور دروازے کی طرف آپ کے بھائی حضرت میراں شاہ مصطفیٰ قادری کے روضہ کے مغرب کی طرف ہے اور مرقد پر چوکھنڈی بنائی گئی ہے۔ آپ چوکھنڈی والے صاحب کے نام سے مشہور ہیں اور مزار زیارت گاہ خلائق ہے۔

تاریخ

بوالحسن بود کعبۂ مقصود ٭ می نمود ند نہ فلک پابوس

ہادی و رہنمائے عالم شد ٭ از کرامات در جہاں زد کوس
نقل چوں کرد دار فانی را ٭ ہر دو عالم بماند در افسوس
گفت ہاتف بوصف تاریخش ٭ "زیب پیرائے جنت الفردوس"

۱۰۷۵ھ

آپ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی ناظرہ سلطان یکم صفر ۱۰۳۲ھ کو واصل بحق ہوئیں۔ کہتے ہیں کہ آپ کا مزار آپ کے شوہر سے متصل تھا لیکن اب قبر کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

آپ کے فرزند سید عبدالقادر، سید نعمت اللہ، سید ابوالقاسم اور سید محمد میراں چوکھنڈی کے پائیں کی طرف دفن ہیں اور سید بدرالدین نے دہلی کی طرف سفر کیا اور وہیں انتقال فرمایا۔

صفۂ دوم

ذکر حضرت محمد فضل اللہ المعروف بہ حضرت میراں شاہ قاسم قادری

آپ کا اسم مبارک محمد فضل اللہ کنیت ابوالقاسم اور لقب شاہ قاسم قادری ہے۔ آپ شاہ ابوالحسن اور شاہ مصطفےٰ کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ نے اپنے والد میراں سید شاہ بدرالدین بدر عالم حبیب اللہ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ والد کے انتقال کے بعد اپنے بھائیوں اور عزیز و اقارب سے علیحدہ ہو کر بیدر سے حرمین شریفین گئے اور اپنے جد اعلیٰ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روضہ کی زیارت

سے بھی مستفیض ہوئے۔ واپسی میں سیاحت کرتے ہوئے لکھنو پہنچے جہاں شاہ دلاور قادری کے کمال کی شہرت سن کر آپ کی ملاقات کیلئے سندیلہ گئے جو لکھنو سے دو تین کوس کے فاصلے پر ہے۔ وہاں آپ نے طویل عرصہ تک قیام فرمایا اور گروہ وہاب شاہی اور نقش بندیہ میں اجازت حاصل کرکے اپنے وطن بیدر لوٹے اور جب بھائیوں کے بیجاپور جانے کا علم ہوا تو آپ نے بھی بیجاپور کی راہ لی۔ ان دنوں ابراہیم عادل شاہ جگت گرو سریر آرائے سلطنت تھا۔ یہاں پہنچکر آپ نے توکل و قناعت اختیار کی اور فقر و درویشی کو اپنا شعار بنایا اور مقتدائے ارباب زہد اور امام اہل فقر بنے۔ تجرید اور ترک علایق میں آپ نے ثابت قدمی کا اظہار فرمایا اور مقام قرب حاصل کیا۔ آپ نے اپنے بھائیوں سے ملاقات کے بعد مسجد جنید خاں میں قیام فرمایا اور وہیں بعد وصال مدفون ہوئے۔ آپ کے خادم پیار محمد کا بیان ہے کہ جب آپ نے بیجاپور میں قیام طے کر لیا تو آپ کے خدام اور رفقا نے یہ جان کر کہ اب وطن کو واپسی ممکن نہیں۔ رنج و ملال اور تاسف کا اظہار کیا۔ حضرت شاہ قاسم قادری اس واقعہ سے آگاہ ہوئے تو آپ نے اپنے تصرف کا اظہار یوں کیا کہ جب آپ کے خدام اور رفقا سو گئے تو بیداری کے بعد اپنے آپ کو اپنے وطن میں پایا اور سفر کی صعوبتوں کو برداشت کئے بغیر اپنے وطن پہنچ گئے۔ پیار محمد کہتے ہیں کہ میں بھی سو رہا تھا جب اٹھا تو اپنے رفقا میں کسی کو بھی نہ پایا اور نماز فجر کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بیان کیا کہ میرے سب رفقا غائب ہیں۔ آپ نے جواب میں کہا کہ وطن کی محبت نے ان پر غلبہ کیا تھا اس لئے خدا کے

حکم سے میں انھیں وطن پہنچا آیا اور اب نماز فجر ادا کی ہے۔ جمال محمد خلیفہ میراں سید شاہ عبدالقادر ابن میراں شاہ مصطفےٰ قادری کا بیان ہے کہ میں بھی ان حضرت کے خادموں میں شریک تھا۔ جب اپنے بستر پر سویا میں نے کچھ دیر بعد محسوس کیا کہ میری اور میرے دوسرے ساتھیوں کی چوکی تعداد میں تھے کمرے سے رسی بندھی ہوئی ہے اور آسمان پر پرواز کرتے ہوئے جا رہے ہیں اور تمام لوگوں کی رسیوں کے سرے حضرت سید شاہ قاسم قادری کے ہاتھ میں ہیں میں بیہوش ہو گیا اور جب ہوش میں آیا تو دیکھا کہ میں اپنے مکان میں ہوں۔ عزیز و اقارب بہت حیران تھے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

اولیا را ہست قدرت از الٰہ — تیر جستہ باز گردانند ز راہ

جمال محمد کچھ عرصہ بعد بیجاپور آگئے لیکن اس وقت حضرت سید شاہ قاسم قادری وصال فرما چکے تھے۔ آپ نے یہ واقعہ حضرت سید شاہ عبدالقادر قادری اور پیار محمد کے سامنے بیان کیا ہے اور حضرت سید شاہ عبدالقادر قادری نے اپنے دست مبارک سے اپنی بیاض میں لکھا ہے۔ اس احقر نے بھی من و عن اس کتاب میں بیان کر دیا ہے

ایک نقل یہ بھی ہے کہ مراری پنڈت نام ایک برہمن عہد ابراہیم عادل شاہ میں عہدہ وزارت پر مامور تھا اور داخلی امور سر انجام کرتا تھا۔ اتفاقاً وہ رقمی خورد برد کے الزام میں ماخوذ ہوا۔ اس کے دل پر سزائے قید وغیرہ کی ہیبت طاری ہو گئی اس لئے گھر سے بھاگ نکلا لیکن سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا۔ جب وہ مسجد جنید خاں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ دیکھا چند درویش گدڑیاں اوڑھے بیٹھے ہیں۔ اس نے

اندر داخل ہو کر واقعہ بیان کیا اور پناہ چاہی۔ حضرت سید شاہ قاسم قادری نے اپنے پیچھے بے خوف و خطر بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ اس نے تعمیل کی۔ جب تعاقب کرنے والے سپاہی وہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ درویش کے پیچھے ایک خوفناک درندہ بیٹھا ہوا ہے۔ بہت خائف ہوئے اور لوٹ گئے۔ آپ نے پناہ لینے والے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب بادشاہ کے دربار میں جاؤ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ اس نے بغیر کسی توسط کے دربار شاہی کا رُخ کیا۔ بادشاہ نے جب اس کو دیکھا اس کو معاف کیا اور عنایات شاہی سے نوازا۔ مراری پنڈت نے بادشاہ کے اس طرزِ عمل کو حضرت سید شاہ قاسم قادری کے کرامات ظاہری و باطنی پر محمول کیا اور معتقد ہو کر ہمیشہ آپ کے دربار میں حاضری دیتا رہا۔ ایک دن اس نے آں حضرت سے درخواست کی کہ اگر حکم ہو تو آنحضرت کیلئے صحن مسجد میں ایک گنبد تعمیر کردوں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ عمل تیرے لئے مفید نہ ہوگا اور تیرے عیال و اطفال کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اس نے کہا کہ مجھے سب قبول ہے میں صرف آپ کے حکم کا منتظر ہوں۔ آپ نے سکوت اختیار کیا اور اس نے رضامندی کا اشارہ پاکر گنبد تیار کردیا۔ لیکن اس اثنا میں اس کے عیال و اطفال فوت ہوگئے اور تکمیل گنبد کے بعد وہ خود بھی انتقال کر گیا۔ آں حضرت نے اس کو بھی گنبد کے پائیں میں دفن کروایا۔ اس کے عزیز و اقارب آنحضرت کے پاس آکر فریاد کرتے اور جنگ و جدال پر آمادہ نظر آنے لگے اور کہنے لگے کہ اس کو ہم اپنے مذہبی طریقے پر جلائینگے۔ آپ نے قبر کھول کر لاش لے جانے کی اجازت دیدی۔ جب

قبر کھولی گئی تو اس میں چنبیلی کے تازہ پھول نظر آئے جب پھولوں کو نکالا گیا تو اس میں نعش موجود نہ تھی۔ آخر مجبوراً قبر پھولوں سے بھر کر دوبارہ تیار کردی اور شرمندہ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ مسجد کے صحن میں جو پتھر رکھے ہیں یہ برہمن کی قبر کا نشان ہے۔ آپ کے کرامات اور خوارق کئی ہیں۔

کہتے ہیں کہ سلطان ابراہیم قطب شاہ اپنے معاصر بزرگوں اور مشائخین کا بہت معتقد تھا۔ ان کے پاس حاضری دیتا ان کا احترام کرتا ہمیشہ ان کی خدمت کرتا۔ جب اس نے حضرت سید شاہ قاسم قادری کے کمالات بزرگی اور تجرد کے واقعات سنے تو ملنے کا مشتاق ہوا۔ اپنے درباریوں سے پوچھا کہ حضرت سید شاہ قاسم قادری سے کیسے ملاقات کی جاسکتی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ بہت مستغنی ہیں اور اہل دنیا کی طرف کوئی توجہ نہیں فرماتے۔ اگر بادشاہ ملاقات کی خواہش رکھتے ہوں تو مناسب یہ ہوگا کہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں ان سے ملاقات کی جائے کیونکہ آپ اکثر جمعہ کی نماز وہیں ادا فرماتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن بادشاہ لباسِ شاہی میں جامع مسجد پہنچا اور بعد نماز جمعہ حضرت سے ملاقات کی لیکن آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی نہ کوئی بات ہی کی۔ بادشاہ کی واپسی کے بعد آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ سیہرہ کون تھا۔ حضرت شاہ ہاشم نے جو اس وقت وہاں موجود تھے فرمایا کہ یہ سلطان ابراہیم ہے اور یہ آباد شہر اسی کا ہے یہ اس سرزمین کا بادشاہ ہے۔

اس کے بعد جب حضرت شاہ ہاشم نے بادشاہ سے ملاقات کی تو کہا کہ اچھا ہوا کہ میں اس وقت وہاں موجود تھا ورنہ تاج شاہی

اور سلطانی ہیئت کو دیکھکر آں حضرت نے پوربی زبان میں سپیرہ کا لفظ استعمال فرمایا تھا جس کا مفہوم شعبدہ باز (یا گاڑہ ڈی) ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت شاہ ہاشم حسینی العلوی اور آں حضرت کے درمیان بہت زیادہ اخلاص و محبت تھی۔ آپ آں حضرت سے ملاقات کیلئے اکثر بادشاہپور سے تشریف لاتے اور جب بھی آپ تشریف لاتے اس سے پہلے آں حضرت اپنے خادموں سے صفائی کا انتظام کرنے کیلئے فرماتے اور یہ بھی ارشاد ہوتا کہ حضرت شاہ ہاشم آرہے ہیں۔ جب آپ آجاتے تو آنحضرت چار قدم آگے بڑھکر استقبال کرتے۔ آپ کی نشست گاہ دہلیز جنید خاں میں غربی چبوترہ پر دیوار سے متصل دروازہ کے قریب تھی جس کو سِل نزک کے گچ اور پتھر سے تعمیر کر دیا گیا ہے اور حضرت شاہ ہاشم علوی مقابل کے چبوترہ پر تشریف فرما ہوتے اس کو بھی گچ اور پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے لیکن آپ خود کبھی حضرت شاہ ہاشم علوی کی ملاقات کے لئے بادشاہپور یا کہیں اور تشریف نہ لے جاتے۔

معتبر حضرات سے سُنا گیا کہ آپ نے جدی نعمت خلافت اپنے بھائی میراں شاہ مصطفیٰ قادری سے حاصل کی آپ نے ۲۰ ذیحجہ کو فرمایا کہ میری زندگی کا اب صرف ایک مہینہ باقی رہ گیا ہے اس لئے میں اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ اپنے برادر زادہ سید عبدالقادر قادری ابن سید شاہ مصطفیٰ قادری کو والد کے انتقال کے بعد چونکہ وہ کم سن تھے اپنے زیر پرورش لیا تھا۔ اور آپ کی تعلیم میں دلچسپی لے کر انھیں اعلیٰ مقام پر پہنچایا تھا۔ سید عبدالقادر نے اپنے والد سے بھی نعمت خلافت حاصل کی تھی۔ آپ نے صوری و معنوی نعمت اور ظاہری و باطنی دولت سے سرفراز فرماکر

ایک سجادگی نامہ لکھا جس پر اپنی مہر بھی ثبت کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ پیار محمد خادم جو آپ کے ساتھ بیجاپور آئے تھے آپ کے وصال کے بعد بھی درگاہ میں خدمت انجام دیتے رہے۔ سلطان محمد ابن سلطان ابراہیم جگت گرو نے دو حویلیاں تعمیر کیں جن میں ایک درگاہ کے احاطہ میں ہے یہ پیار محمد کو عطا کی اور دوسری حویلی جو درگاہ کے بڑے دروازے کے باہر ہے آپ کے برادر زادہ حضرت سید عبدالقادر قادری کی نذر کی۔ یہ حویلی گمٹی محل کے نام سے شہر بیجاپور اور اس کے باہر دکن کے دیگر شہروں میں شہرت رکھتی ہے اور ابھی تک قائم ہے۔ پیار محمد مذکور کے آخری وارث شیخ محمد قاسم نے اپنے موروثی مکانات جو درگاہ کے احاطہ میں واقع تھے اور درگاہ شریف کی کنجیاں سید ابو تراب ابن سید شمس الدین قادری ابن سید عبدالقادر قادری ابن سید مصطفیٰ قادری آپ کے حقیقی برادر زادہ کے پوتے کے حوالے کیں اور اس دن سے سید موصوف درگاہ شریف کی خدمت کیلئے اپنی طرف سے خادموں کو مقرر کرتے ہیں۔ اُن کی وفات کے بعد ان کے لڑکے سید مصطفےٰ عرف سید احمد اس جائداد کے وارث ہوئے لیکن چونکہ انھوں نے لاولد انتقال کیا اس لئے اپنے چچازاد بھائی سید محمود ابن سید مرتضیٰ ابن حضرت سید شمس الدین قادری گومرسی کو اپنا وارث قرار دیا اور اس طرح درگاہ کی کنجیاں اور اندرون احاطہ درگاہ کے مکانات اور اسناد اور ۸ ریسہ برائے عود و گل عطیہ شاہی سید محمود کے حصے میں آئے۔ اس وقت سے سید محمود اپنی جانب سے درگاہ کی خدمت کیلئے خادموں کو مامور کرتے ہیں اور حضرت شاہ قاسم قادری قدس سرہ کے عرس کے انتظامات بھی سرانجام کرتے ہیں۔ سید محمود قادری کے

جو جاح ادراق ہذا یعنی مولف کے والد تھے انتقال کے بعد یہ خدمات وجاگداد اس فقیر خاکپائے خیاد اللہ الباری سید محی الدین ابن سید محمود قادری ابن سید مرتضیٰ ابن حضرت سید شاہ شمس الدین قادری گومری ابن سید عبدالقادر قادری ابن میراں شاہ مصطفےٰ قادری برادر حضرت شاہ ابوالحسن وشاہ قاسم قادری کو حاصل ہوئی ہے۔ احقر نے اس جد کی درگاہ حضرت میراں شاہ قاسم قادری کی خدمات کو اپنے لڑکے سید عبدالقادر عرف قادر بادشاہ طال عمرہٗ کے سپرد کیا ہے جس کو وہ بہ احسن الوجوہ انجام دیتے ہیں اور خدمت درگاہ مسجد اور مکانات کیلئے خادموں کو مامور کرتے ہیں وہ اپنے جد حضرت شاہ مصطفیٰ قادری اور حضرت شاہ ابوالحسن قادری جن کے روضے علی پور دروازے کے باہر آغا پور میں ہیں۔ اعراس کی خدمت بھی بجالاتے ہیں۔

حضرت میراں شاہ قاسم کا وصال سنہ ۱۰۳۲ ہجری میں ہوا اور مسجد جدید خانہ کے صحن میں دفن کئے گئے۔ مرقد پر مرادی پنڈت نے گنبد بنوایا ہے اور گنبد سے متصل سید ابوتراب قادری کا مزار ہے جس پر ایک چھوٹی کھنڈی بنی ہوئی ہے۔ حضرت میراں شاہ قاسم قادری کی تاریخ رحلت درود شریف سے مستخرج ہوتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ۱۰۳۲ھ

دوسری تاریخ یہ ہے:- اودستگیر کل اولیائے بیجاپور
۱۰۳۲

مولانا خلیل الرحمٰن صدر الصدور بیجاپور خسر حضرت سید مرتضیٰ قادری برادر خورد سید ابوتراب قادری ابن سید شمس الدین قادری ابن سید عبدالقادر

قادری ابن سید شاہ مصطفےٰ قادری برادر شاہ ابوالحسن وشاہ قاسم قدس سرہٗ ومولانا محمد اکرم ومولوی محمد اکبر اور کئی علماء اور صلحاء اندرون احاطہ درگاہ میں دفن ہوئے ہیں۔

دوسری فصل

ذکر عبدالقادر ابن حضرت سید شاہ مصطفےٰ قادری قدس سرہٗ

سید عبدالقادر اپنے والد کے انتقال کے وقت چودہ سال کے تھے۔ آپ نے اپنے والد سے بھی نعمت خلافت پائی تھی اور اپنے چچا حضرت میراں سید شاہ قاسم قادری کی خدمت میں رہ کر علوم شریعت، رسوم طریقت، آداب حقیقت اور کمالات معرفت حاصل کئے تھے۔ دنیا اور اہل دنیا سے آپ بھی گریزاں رہے۔ علوم ظاہر و باطن سے بھی آگاہ تھے اور ریاضت و عبادت میں بھی یکتا تھے۔ اپنے دور کے مشاہیر میں بہت بلند مقام کے حامل تھے۔ طالبوں کی تربیت کرتے اور اپنے والد سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے باوجود حضرت شاہ ابوالحسن قادری اور اپنے خسر حضرت شاہ اسمٰعیل قادری جو خود بھی ایک کامل اولیائے زمانہ سے تھے کی خدمت میں حاضر رہتے۔ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی بینا صاحبہ بنت شیخ اسمٰعیل قادری ابن شاہ محمد ابن شاہ حسین ابن شیخ ابراہیم المعروف بہ شیخ مخدوم جی قادری ابن شیخ شمس الدین محمد ملتانی بیدری تھیں۔ آپ نے بھی اپنے والد کے زیر سایہ

عاطفت تربیت پائی تھی اور بہت عابدہ و زاہدہ تھیں۔ آپ کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے' ایک سید شمس الدین عرف ننگی صاحب دوسرے سید اسمٰعیل عرف بڑے صاحب اور تیسرے سید محی الدین عرف حضرت صاحب۔ ان کا ذکر تیسری فصل میں پیش کیا جائے گا۔ آپ کی حویلی اور خانقاہ بیجاپور کے حصار کے اندر رنگین مسجد سے متصل سید شاہ اسمٰعیل قادری کی حویلی سے قریب تھی کہتے ہیں کہ حضرت شاہ مصطفیٰ قادری کی رحلت کے بعد سلطان ابراہیم عادل شاہ جگت گرو حضرت سید عبدالقادر کی خدمت میں آیا اور آپ سے دعا چاہی کہ سلطنت میں تزلزل نہ آئے اور میری عاقبت بخیر ہو۔ آپ نے دعا فرمائی اس نے پھر درخواست کی کہ اگر اجازت دے تو مرقد کیلئے ایک گنبد تعمیر کردوں لیکن اس کی آپ نے اجازت نہ دی اور بادشاہ نے ضروری اخراجات کیلئے چند دیہات معاش میں دیئے۔ امرائے سلطنت میں سے بھی کئی امرا نے حسب استعداد اپنی جاگیروں سے معاش نذر کی۔

آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جو کچھ بھی محال زمینات کا آتا سب فقرا پر صرف فرماتے اور اہل بیت فاقے کھینچتے اور توکل پر گذراں کرتے اور تیسرے چوتھے دن ظہر کی نماز کے بعد فقیروں اور خادموں کو ساتھ لے کر باہر جاتے اور جہاں غربا ضعیف اور فاقہ زدہ نظر آتے انھیں خانقاہ میں لاتے اگر کوئی خادم کراہیت کرتا تو خود اٹھاتے اور لے آتے اور ان پر رحم فرماتے اور ان کی دیکھ بھال کرتے۔

آپ کی کرامات بھی بہت ہیں کہتے ہیں کہ ایک دن آپ گھر میں تشریف رکھتے تھے مولانا شیخ لطف اللہ فرزند حضرت

شاہ اسمٰعیل قادری بھی موجود تھے یہ فاقہ کا دوسرا دن تھا۔ جب بچوں کو مولانا نے زیادہ بے حال دیکھا تو کہا کہ آج بچوں پر دوسرا فاقہ ہے۔ آپ مسکرا کر خاموش ہو رہے۔ ایک گھنٹہ نہ گذرا تھا کہ دروازہ پر دستک ہوئی اور خادمہ نے اطلاع دی کہ فلاں شخص کے پاس سے خوان آیا ہے۔ آپ نے لانے اور اہل خاندان کو کھانے کی اجازت دی جب لوگ دسترخوان پر بیٹھے تو دیکھا کہ چاول کے دانے کیڑوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ لوگوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور حضرت کو اطلاع دی۔ حضرت نے کھانا خانقاہ میں بھیجنے اور فقرا کو دینے کیلئے فرمایا اور یہ کہا کہ وہ کھانا ہو جائیگا۔ ایک گھنٹہ بعد پھر دستک کی آواز آئی۔ آپ نے فرمایا جو کچھ آیا ہے لے آؤ۔ خادمہ نے پھر ایک خوان لایا۔ آپ نے اپنے اہل خاندان کے ساتھ یہ کھانا کھایا۔ مولانا شیخ لطف اللہ نے پوچھا کہ پہلا کھانا اپنی اصلی حالت پر نہ رہنے کا سبب کیا ہے۔ فرمایا کہ وہ وجہ حلال نہ تھا۔

آپ نے اپنی ساری زندگی طاعات و عبادات میں بیجاپور ہی میں گذاری۔ جب وصال کا وقت آیا تو خادموں کو حکم دیا کہ چار انگیٹھیاں روشن کر کے لائیں۔ جب انگیٹھیاں آگئیں تو آپ نے اپنے تمام کاغذات' اسناد' دیہات و یومیہ و اراضی وغیرہ منگوائے اور سب کو جلا دیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کے تین کم سن صاحبزادے ہیں۔ ان کے مایحتاج کیلئے کچھ معاش ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اسی لئے تو جلاتا ہوں کہ کل کے دن یہ تینوں آپس میں لڑیں گے۔ اور ہمارے آبا کا طریقہ جو توکل ہے چھوڑ دیں گے۔ پھر آپ نے شمس الدین کو

جو بڑے فرزند تھے بلایا۔ اس وقت آپ کا سن نو سال کا تھا۔ جب آپ حاضر ہوئے تو اپنے نزدیک بٹھایا توجہ کی اور سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر فرمایا کہ جو کچھ دینا تھا تجھے دیدیا اور خدا کو سونپا اور جو کہنا تھا کہا اور پھر آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ۲۷ ذیحجہ تاریخ تھی لیکن عرس عید کے دن ہوتا ہے اور قبر آپ کی والد کے چبوترہ پر والدہ کے پائین میں ہے۔

مدیحتہ

سید عبدالقادر عالی رتب   در نسب طاہر مطہر در حسب
بود او فرزند دل بند نبیؐ   نور چشم مرتضیٰ مقبول رب
مثل او دیگر کسے در عہد او   کس ندیدہ در عجم ہم در عرب
اولیا بود ند پیش جملگی   در رہ تعظیم و تکریم و ادب
بیست و ہفت از مہ ذیحجہ بود   محو حق شد آں شہ والا لقب

اس ایک معنوی نظر اور ارشاد عالی سے سید شمس الدین کی حالت بدل گئی۔ خدا نے آپ کے سینہ کو گنجینۂ علم بنادیا اور وہ انوار قدسی سے منور ہو گیا۔ ؎

حبذا قومی کہ دید حق بود دیدار شاں   محو باشد در شہود سر غیب اسرار شاں

کہتے ہیں کہ آپ کی رحلت کے بعد آپ کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی بینا صاحبہ عدت میں رہیں اور ختم عدت پر ۲۷ ربیع الاول کو آپکا بھی انتقال ہو گیا آپ کا مزار مانک چوک میں بیجاپور کے حصار سے باہر زہرہ پور دروازہ کی طرف مولانا حبیب اللہ کے احاطہ کی دیوار سے متصل مغربی جانب اپنے والد مولانا سید شاہ اسمٰعیل قادری کی قبر سے قریب ہے (ط نوٹ آگے صفحہ پر)

فصل سوم

ذکر سید شمس الدین قادری وغیرہ فرزندان حضرت سید عبدالقادر قادری قدس سرہٗ

سید شمس الدین قادری ابن سید عبدالقادر قادری اپنے والد کے سجادہ نشین ہیں جو عالم عامل کامل صاحب توحید و معرفت اور دانائے اسرار تھے بیجاپور کے مشائخین میں آپ کا رتبہ بلند تھا۔ آپ کو تمام علوم میں درک حاصل تھا اور فقہ میں تو فقیہ الفقہا تھے۔ علوم رسمی سے پوری طور پر آگاہ تھے لیکن سب سے دست کش ہو کر آپ نے ساری زندگی قناعت و تقویٰ اور عزلت میں بسر کر دی۔ ارباب دنیا کی ملازمت سے ہمیشہ دور رہے آپ جو چاہتے خدا اس کو پورا کرتا۔ آپ جس چیز کی پیشن گوئی کر دیتے وہی وقوع پذیر ہوتی۔ غرض کہ امام وقت اور مقتدائے زمانہ تھے اور کئی طالبان حق آپ کی برکت سے ہدایت و سعادت کے مقام پر فائز ہوئے۔ آپ کے خوارق و کرامات بھی بے شمار ہیں اور عجیب و غریب واقعات بھی ان میں سے چند یہاں بیان کیے جائینگے

صفحہ ۵۸ کے ط ای مقام کا نام مانک چوک ہے اور جہاں شاہ اسمٰعیل قادری اور ان کے اہل خاندان کی قبریں ہیں ان میں دو قبریں پتھر کی ہیں۔ ایک بڑی اور ایک چھوٹی۔ بڑی شاہ اسمٰعیل قادری کی ہے۔ م

آپ اپنے والد کے خلیفہ اور اپنے خسر شیخ ابوتراب کے شاگرد تھے۔ مولانا شیخ ابوتراب مدار العلوم علماء و مشائخین بیجاپور سے تھے۔ وہ شریعت و طریقت کے استاد اور پیشوائے وقت سمجھے جاتے تھے۔ ایک عالم ان سے فیض حاصل کرتا اور ان کے مدرسہ شریفہ سے علم اور دانائی حاصل کرتا تھا۔ آپ کی شہرت دکن کے شہروں سے گذر کر شمالی ہند تک پہنچی تھی۔ آپ کے پانچ لڑکے تھے اور تین لڑکیاں زوجہ محترمہ حضرت بی بی فاطمہ بنت مولانا شیخ ابوتراب مدرس ابن شیخ ابوالمعالی بن شیخ الشیوخ سراج العلماء استاد الاولیا حضرت شیخ علم اللہ محدث[۱] العیدروسی الحنفی المکی ثم البیجاپوری ابن شیخ عبدالرزاق العباسی از اولاد سیدنا عباس عم حضرت نبی صلعم تھیں۔ لڑکوں میں ۱۔ سید عبدالقادر عرف سید صاحب ۲۔ سید ابوتراب عرف ابو صاحب ۳۔ سید عبداللطیف ۴۔ سید مرتضیٰ ۵۔ سید مصطفیٰ عرف شاہ صاحب اور لڑکیاں بی بی رابعہ صاحبہ و صالحہ صاحبہ و سلطان صاحبہ تھیں۔ ان سب کا بیان چوتھی فصل میں پیش ہوگا۔

حضرت بی بی فاطمہ عابدہ زاہدہ اور عالمہ صاحبہ اوراد و اذکار تھیں اور انھوں نے اپنے والد سے فیض حاصل کیا تھا اور اپنی والدہ حضرت امۃ الوکیل سے تربیت پائی تھی جو رابعہ زمان تھیں۔ بی بی فاطمہ نے اپنے شوہر حضرت سید شمس الدین قادری کے عین حیات ۴ رمضان المبارک

۱۔ عالم العلوم حضرت سید مصطفیٰ مرحوم کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت شیخ علم اللہ محدث شیخ ابن حجر صاحب "صواعق محرقہ" کے شاگرد تھے۔ حضرت علم اللہ محدث نے ۱۰ ذی الحجہ ۱۰۲۳ھ کو وفات پائی (مؤلف)

رحلت کی اور حصار سے باہر علی پور دروازہ کی طرف اپنے جد بزرگوار حضرت شیخ علم اللہ محدث کے پائیں میں مدفون ہوئیں۔ قبر زمین کے برابر ہوگئی تھی لیکن میرے چچا سید عبدالقادر قادری نے جو آپ کے پوتے ہیں تراشیدہ پتھروں اور گچ سے بنوادی ہے۔

کہتے ہیں کہ عالمگیر شاہ ہند و دکن اہل فضل و کمال کا مرجع اور خود جید عالم تھا وہ ملا نظام کا شاگرد تھا اور ملا نظام شیخ ابوتراب کے شاگرد تھے۔ بادشاہ نے آپ کے فضائل و مناقب ظاہری اور باطنی کمالات اپنے استاد ملا نظام سے سنے تھے اور ملاقات کا مشتاق تھا۔ جب بادشاہ نے بیجاپور کو تسخیر کرلیا تو اس وقت شیخ ابوتراب کا انتقال ہوچکا تھا۔ اس لئے آپ کے مقبرہ کی زیارت کی اور اپنے سپہ سالار سیادت خان کو حکم دیا کہ افضل العلماء شیخ ابوتراب کے ورثا کو حاضر کرے۔ شاہی ہرکارے محمد افضل بن شیخ ابوتراب کے پاس پہنچے اور انھیں بادشاہ کا حکم سنایا۔ محمد افضل اپنی والدہ حضرت امۃ الوکیل کے پاس گئے اور کہا کہ بادشاہ عالمگیر جید عالم اور دانائے وقت ہے اور میرے والد کا نام ہر جگہ مشہور ہے، وہ مجھ سے امتحاناً مسائل اصول و فروع پوچھے گا ممکن ہے کہ میں جواب نہ دے سکوں اگر آپ سید شمس الدین صاحب کو میرے ساتھ روانہ فرمائیں تو مناسب ہوگا اس سے خاندان کی آبرو بھی رہیگی۔ آپ اپنے داماد حضرت شمس الدین صاحب کے پاس آئیں اور کہا کہ بادشاہ افضل العلماء کی قبر کی زیارت کیلئے گیا ہے اور محمد افضل کو طلب کیا ہے۔ بادشاہ عالم ہے اور محمد افضل علوم سے بے بہرہ۔ اس لئے آپ محمد افضل کو ساتھ لے جائیں یہ خاندان کی عزت و

ناموس کا سوال ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اہل دنیا سے دور رہتا ہوں۔ جب حضرت محترمہ نے بہ اصرار کہا تو آپ اپنی خوشدامن کا لحاظ کر کے اپنے خسر کی قبر پر محمد افضل کے ساتھ گئے۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ نے مولوی کے باغ میں باولی میں اتر کر وضو کیا اور اپنے ہاتھ سے پھول چن کر مولانا کے مزار تک پا پیادہ آیا اور پھول چڑھائے اور فاتحہ پڑھتے وقت ایسے رسوم اور آداب بجا لائے کہ اس کا سر زمین سے صرف ایک بالشت اونچائی پر رہ گیا تھا۔ فاتحہ گذرانے کے بعد وہ دونوں سے ملاقات کیلئے وہیں بیٹھ گیا اور گفتگو شروع کی۔ اثنائے گفتگو میں جب عالمانہ نکتے بیان ہونے لگے تو محمد افضل عاجز آ گئے اور عارف باللہ سید شمس الدین نے بادشاہ کے سوالات کا تشفی بخش جواب دیا۔ بادشاہ نے مطمئن ہو کر پوچھا کہ کیا کوئی معاش مقرر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے رزاق حقیقی کافی ہے بادشاہ نے فرمایا کہ متعلقین کی احتیاجات کی تکمیل ضروری ہے۔ اسلئے آپ کچھ نہ کچھ قبول فرمائیں۔ اس کا جواب آپ نے یوں دیا کہ خدا کا ملک وسیع اور محی الدین عبدالقادر جیلانی کا نام کافی ہے۔ فقیر کی کوئی غرض نہیں۔ بادشاہ نے تین دفعہ پوچھا اور ہر دفعہ اس کو یہی جواب ملا وہ تین تین سو روپیوں کی دو تھیلیاں دونوں بزرگوں کی نذر کرنے کا حکم دے کر واپس ہوا اور صدر کو تاکید کر دی کہ محمد افضل کی خواہش معلوم کر دیں۔ ہر دو بزرگ اپنے اپنے گھر لوٹے اور عارف باللہ نے جو تھیلی نذر میں پائی تھی وہ اپنی خوشدامن امۃ الوکیل کو بھجوا دی۔ اس کے بعد جب جمعہ کو بادشاہ جامع مسجد آئے تو عارف باللہ کے پاس حاضری کی اجازت لینے کیلئے سیادت خاں کو بھیجا۔ آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اس کے بعد

دوسرے اور تیسرے جمعہ کو بھی بادشاہ کی درخواست قبول نہ ہوئی۔

دوسری حکایت مرزا بانی محمد کی زبانی جو ایک سنی متعصب معمر پیرزادہ اور زبان فارسی کا بڑا عالم تھا بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن حضرت عارف باللہ گھر سے باہر درخت کے نیچے چبوترہ پر بیٹھے شاگردوں کے درمیان درس و تدریس میں معروف تھے میں اس وقت دس بارہ سال کا لڑکا تھا اور وہیں بیٹھا تھا۔ ایک خستہ حال مسافر دور دراز سے آیا اور آپ کے قدموں پر گر کر رونے لگا۔ لوگ حیران ہوئے۔ حضرت والا نے اس پر توجہ فرمائی اس کو اٹھا کر اپنے پیچھے بٹھایا۔ درس کے بعد جب آپ گھر میں تشریف لے گئے تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے کہاں سے آیا ہے اور کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا میرا نام شیخ یوسف ہے۔ میں آپ کا مرید ہوں ایک سردار کے پاس بحیثیت سپاہی کے نوکر ہوں۔ میرے سردار اور اس کے حریف کے درمیان لڑائی ہوئی اور جب ہم شکست کھا گئے تو میں زخموں سے اس قدر چور تھا کہ مرنا باقی رہ گیا تھا میں نے دل میں مرشد کا تصور کیا اور کہا یا شمس الدین میری مدد فرمایئے۔ معاً عارف باللہ تشریف لائے آپ کے ہاتھ میں پانی سے لبریز آفتابہ تھا آپ نے مجھے منہ کھولنے کا حکم دیا۔ میں نے منہ کھولا اور آپ نے آفتابہ سے پانی منہ میں ڈالا میں سیر ہو کر بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ ایک موضع کے قریب پڑا ہوں سمجھا کہ یہ میرے پیر کی کرامت ہے لوگ مجھے کمزور اور ناتواں دیکھ کر آبادی میں لے گئے اور میری مرہم پٹی اور تیمارداری کرتے رہے میں توانائی پا کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

میں نے اپنے چچا سید عبدالقادر اور والد سید محمود سے سنا ہے کہ بعض

لوگ کہتے ہیں کہ حضرت کے معتقدین میں سے ایک نیک عورت اور اس کا لڑکا آیا کرتے اور آپ اس پر مہربانی فرماتے۔ لڑکا حصول علم کا شوق رکھتا اور بعض عمل از خود ورد کرتا۔ جب حضرت کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بلا اجازت وظیفہ خوانی سے نقصان کا اندیشہ ہے۔ اس نے نہ مانا اور بالآخر دیوانہ ہوگیا اور لباس بھی تن سے جدا کر دیا۔ بڑھیا کا اکلوتا لڑکا تھا۔ اس نے علاج میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن لاحاصل رہا۔ مایوسی کے عالم میں بڑھیا عارف باللہ کے پاس حاضر ہوئی اور حقیقت حال بیان کی اور دعا چاہی۔ آپ نے کہا کہ انشاءاللہ ٹھیک ہو جائے گا۔ ایک عورت سے آپ نے کہا کہ چند فقرا اور محتاجوں کو ساتھ لائے۔ اس نے تعمیل کی تو آپ نے فقراء کو کچھ رقم دی اور یہ کہا کہ ایک گائے اور ایک ٹوکرا بھر گھی خریدیں۔ ایک کڑاہی اور ضعیف کے لڑکے کو علی پور دروازے کے باہر رسول پور کے راستہ پر کی باڑی پر لے جائیں۔ وہاں گائے کو ذبح کریں اور کھائیں۔ اور پھر اس کے نصف چمڑے پر لڑکے کو بٹھائیں اور نصف اس کے سر پر ڈالیں۔ گھی کو کڑاہی میں گرم کریں اور لڑکے پر نگرانی رکھیں میں بھی وہاں آتا ہوں۔ فقراء نے حکم کی تعمیل کی اور حضرت عارف باللہ بھی خود وہاں پہنچ گئے اور لڑکے سے کہا تو جو کچھ پڑھتا تھا پڑھ۔ آپ خود ایک طرف بیٹھ گئے۔ اچانک وہاں تقصیر تقصیر کی آواز آئی لیکن کہنے والے نظر نہ آئے اور لوگ حیران ہوئے ایک گھنٹہ بعد کئی پرندے آواز کرتے ہوئے کڑاہی پر جمع ہوگئے اور یکے بعد دیگرے کڑاہی میں گرنے لگے۔ حضرت عارف باللہ اس وقت نامعلوم مخاطب سے گفتگو میں مصروف تھے۔ ایک گھنٹہ بعد لڑکا بیدار ہو

اور اٹھ کر حضرت کے قریب آیا تو آپ نے کڑاہی کو نیچے اتارنے اور اس میں مزید گھی ڈالنے کا حکم دیا۔ اس عمل کے بعد جو پرندے باقی رہے تھے سب اڑ گئے۔ اس پر میرے جد امجد اور حضرت کے صاحبزادے سید مرتضیٰ قادری بھی حاضر تھے۔

کہتے ہیں کہ مدگل اور سندھنور کے علاقہ میں ایک سال بارش نہ ہوئی اور موسم ختم ہونے لگا۔ لوگوں نے پریشان ہو کر دوسرے شہر میں جانے کا ارادہ کیا۔ آپ اس زمانے میں سندھنور ہی میں قیام فرما تھے۔ قادر عنبر خاں ویسائی پرگنہ سندھنور فقیر دوست اور پرہیزگار انسان تھا اس نے نماز استسقاء کا انتظام کیا اور آپ سے بھی شریک ہونے کی درخواست کی آپ نے قبول نہ کیا۔ تین دن تک عوام نماز استسقاء ادا کرتے رہے پھر بھی بارش نہ ہوئی اور مایوسی طاری ہوگئی۔ قادر عنبر خاں نے پھر حضرت سے التجا کی جس کو آپ نے قبول فرمایا اور دوسرے دن بعد نماز استسقاء تنہا مصروف دعا ہوئے۔ اتنی بارش ہوئی کہ عوام کو گھر واپس ہونا مشکل ہوگیا اور دشت و بیابان سب سیراب ہوگئے۔

حکایت:۔ ایک روز سندھنور ہی میں شیخ صاحب یادگی اور شاہ صاحب نے حضرت عارف باللہ سے ملاقات کی وحدۃ الوجود کے مسئلہ پر بحث ہوتی رہی۔ حضرت نے فرمایا وحدت وجود کی مثال ژالہ سے دینا زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے کہ ژالہ صرف پانی ہے جو جم کر ژالہ کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ ایسی ہی نسبت مقید کو مطلق سے ہے۔ شیخ صاحب نے کہا کہ ہم نے صرف ژالہ کا نام سنا ہے دیکھا نہیں کہ کیسا ہوتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا آپ کے وطن میں کبھی اولے نہیں برسے انھوں نے نفی میں جواب دیا

آپ نے کچھ دیر تک اپنے دل کی طرف توجہ کی اسی وقت اولے برسنے لگے اور آپ نے فرمایا یہ ژالہ ہے۔ اہل مجلس بے حد حیران ہوئے۔ اتنے بڑے اولے گرنے لگے کہ لوگ ہلاکت کا خوف محسوس کرنے لگے۔ آپ نے اٹھ کر دو رکعت نماز ادا کی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اولے گرنے بند ہو گئے اور لوگ مطمئن۔

حکایت:۔ ابھی حضرت عارف باللہ خورد سال تھے تسمیہ خوانی کے بعد آپ کی والدہ نے آپ کو مکتب بھیجا تو استاد نے آپ کو بسم اللہ کہنے کیلئے کہا آپ نے بسم اللہ کہا اور اس کے بعد سارا کلام مجید سنا دیا سب حیران رہ گئے۔

حکایت:۔ حضرت کی عمر سات سال کی تھی کہ آپ کے والد سید عبدالقادر اپنے مکتب میں طلبہ کو تفسیر کا درس دے رہے تھے اور آپ کھیل میں مصروف تھے تفہیم کے دوران ایک مقام پر دقت محسوس ہوئی آپ نے کھیلتے ہوئے کچھ کہہ دیا جس سے مشکل حل ہو گئی۔

حکایت:۔ ایک دن آپ فجر کے بعد اوراد و وظائف میں مشغول تھے کہ بادشاہ عالمگیر آئے اور انھوں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ روشن ہے اور رفتہ رفتہ آفتاب کی کیفیت اختیار کر گیا اور پھر بتدریج اصلی کیفیت میں آ گیا مثل اذا الشمس کورت۔

حکایت:۔ ایک دن ملک جہاں خاں آپ کے پاس آکر بیٹھا وہ شاہی انگوٹھی پہنے ہوئے تھا آپ کی نظر اس پر پڑی آپ نے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ شاہی انگوٹھی ہے اگر یہ نہ ہو تو بادشاہ کے حضور میں رسائی نہیں ہو سکتی۔ آپ نے وہ انگوٹھی طلب کی

اور لے کر کنوئیں میں پھینک دی اُس نے بہت کچھ آہ و زاری کی کہ مجھ پر بادشاہ کا عتاب ہوگا۔ دربار میں پہنچنے کی اجازت نہ ملے گی تب آپ اس کو لئے ہوئے کنوئیں پر آئے اور اپنے دونوں ہاتھ پانی میں ڈال کر باہر لے آئے اس وقت آپ کے ہاتھ اسی طرح کی بیشمار انگوٹھیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ آپ نے کہا کہ تم اپنی انگوٹھی لے لو اس نے اظہار عجز کیا تو آپ نے ایک انگشتری کی طرف اشارہ کیا اور وہ اچھل کر آپ کے ہاتھ سے خان مذکور کے ہاتھ میں جا پڑی۔

حکایت:۔ شیخ صاحب بلارقی سے روایت ہے کہ میں اور شاہ صاحب حضرت تمیم انصاری کی زیارت کیلئے نکلے جب مدراس پہنچے تو حضرت عارف باللہ کے دیدار سے لذت یاب ہونے کا شوق ہوا۔ میں نے رات میں سوچا کہ صبح مند حضور جانا چاہیئے۔ جب رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوا تو خیال آیا کہ پہلے وظائف سے فراغت حاصل کروں جب وظیفہ شروع کیا تو ایک عجیب کیفیت دیکھی کہ نظر گھر کی دیوار سے باہر جا رہی ہے گویا گھر کی دیواریں عینک کا کام دے رہی ہیں۔ ایک لحظ بعد نظر چھت پر پڑی تو نظر اوپر کی منزل سے گزر کر آسمان اور ستاروں تک جا پہنچی اور دیکھا کہ آسمان سے نیچے کوئی چیز پرواز کرتی ہوئی آرہی ہے میں نے سمجھا کہ یہ بڑا شہباز ہوگا۔ جب فاصلہ کم ہوا تو دیکھا کہ اس کی شکل آدمی کی سی ہے جب اور قربت ہوئی تو دیکھا کہ عارف باللہ کی سواری تھی۔ آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ تم نے حضرت تمیم انصاری کی زیارت کا ارادہ کیا ہے اس کو پورا کرو۔ میں نے کہا کہ زیارت سے اعراض کرنا منظور نہ تھا۔

صرف آپ کے دیدار کی تمنا تھی آپ نے فرمایا کہ میں موجود ہوں۔ کل زیارت کیلئے حسب ارادہ چل پڑو۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں، اس لئے کہ لوگ نماز فجر کیلئے میرے منتظر ہوں گے۔ آپ جیسے آئے ویسے ہی تشریف لے گئے۔

حکایت:۔ حضرت   کا قیام بیجاپور میں تھا۔ گجرات سے محمد خلیل الرحمن اپنی بیوی کی بہنوں یعنی زہرہ صاحبہ اور نجمی صاحبہ سے ملنے کیلئے پہلی دفعہ بیجاپور   آئے یہاں حضرت عارف باللہ کی شہرت سنی تو اُن سے ملنے کیلئے اپنی قیامگاہ زہرہ پور سے آپ کے پاس آئے۔ حضرت عارف باللہ نے فرمایا کہ آپ کا شیشہ تو نہایت صاف ہے۔ اگر اس شیشہ میں شراب ڈالی جائے تو کتنی حلاوت متغیر ہو گی۔ مولانا عالم اور صاحب شرع تھے۔ اس گفتگو سے مکدر ہو کر اُٹھے اور دل میں خیال کیا کہ شراب کا جو اُم الخبائث ہے بھری مجلس میں نام زبان پر لاتے ہیں۔ گھر لوٹ کر اس واقعہ کا ذکر اپنے احباب سے کیا اور ہر شخص ان کی رائے سے متفق ہوا۔ رات کو آپ نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل آراستہ ہے۔ اصحابِ کبار بھی تشریف فرما ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ہمارے فرزند شمس الدین سے لفظ شراب کہنے سے ناراض ہو گئے ہو حالانکہ خدائے تعالیٰ نے قرآن میں خمر کا ذکر کیا ہے اور میں نے احادیث میں اُس کا نام لیا ہے۔ آپ بیدار ہوئے بعد نماز تلاوت قرآن شروع کی جب آیت وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ؕ پر پہنچے تو جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ آخر تائب ہو کر حضرت عارف باللہ کے پاس

جانے کے ارادے سے نکلے ابھی آپ راہ میں تھے کہ حضرت عارف باللہ نے اپنی مجلس میں فرمایا کہ جو مچھلی جا چکی تھی میں نے اُس کو پکڑ لیا ہے۔ کچھ دیر بعد جب آپ مجلس میں پہنچے تو حضرت نے فرمایا کہ مولانا آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشارت دینے تک ہماری بات پر یقین نہ لایا؟ آپ نے محجوب ہو کر معذرت چاہی اور بشارت کا حال سُنایا اسی محفل میں حضرت عارف باللہ نے انھیں منصب دنیوی کی خوشخبری سنائی کہتے ہیں کہ اسی سال عہدۂ صدارت کیلئے بادشاہ دہلی کی طرف سے آپ کے نام فرمان ملا۔ جب آپ کرسی صدارت پر فائز ہوئے تو سمجھا کہ حضرت کی کرامت ہے۔

حکایت:۔ محمد عالم بادشاہ اور شاہ حسین سند صنوری دونوں حضرت کے خلفاء تھے اور آپ نے بعد حصول اجازت حج کا ارادہ کیا۔ جب حرم کعبہ میں طواف کر رہے تھے تو دیکھا [illegible] عارف باللہ بھی طواف میں مصروف ہیں وہیں قدم بوس ہوئے اور پوچھا کہ آپ بھی تشریف لائے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ ہاں لیکن جب تم سند صنور واپس ہوں تو اس ملاقات کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ حضرت نے ذکر کی ممانعت تو کی لیکن دونوں نے اس واقعہ کا لوگوں سے ذکر کر دیا اس دن لوگوں نے انھیں یہاں بھی دیکھا تھا اور آپ ظاہری اعتبار سے مکہ معظمہ نہیں گئے تھے۔

حکایت:۔ جب حضرت عارف باللہ حج کیلئے تشریف لے گئے تو پچاس معتقدین آپ کے ساتھ تھے جن میں قادر عنبر خاں بھی شریک تھے۔ بحری سفر میں طوفان کی وجہ سے کشتی پارہ پارہ ہو گئی۔

سب مسافر ڈوب گئے اور قادر عنبر خاں اور حضرت عارف باللہ اتفاقاً دونوں ایک ہی تختے پر بہتے رہے۔ جب قادر عنبر خاں کو بھوک اور پیاس کا غلبہ ہوا تو انھوں نے حضرت سے التجا کی حضرت نے جواب میں فرمایا کہ کچھ دیر صبر کرو کھانا آتا ہے۔ واقعی کچھ دیر بعد ایک بڑا درخت ہمارے تختے کی طرف بہتا آیا۔ اس پر لذیذ کھانوں اور پانی سے بھرا ہوا خوان موجود تھا خان موصوف شکم سیر ہوئے ایک ہفتہ تک یہی کیفیت رہی آٹھویں دن سمندر کے کنارے پہنچے۔

حکایت:- حضرت عارف باللہ کا قیام سندھنور میں تھا۔ اور آپ کے ساتھ آپ کے ایک فرزند سید شاہ مرتضیٰ قادری تھے۔ آپ کے دوسرے فرزند سید ابوتراب نے بیجاپور سے خط لکھا کہ سید شاہ مرتضیٰ کو بیجاپور بھیجیں۔ حضرت نے اپنے صاحبزادے کو خط دکھا کر کہا کہ تمہارے بھائی ابوتراب نے تمھیں بلایا ہے اور تین جگہ تمہاری نسبت طے کی ہے ایک خاندان آلِ زبیر میں دوسری خاندان تنانی اماں میں اور تیسرے محمد خلیل الرحمٰن کی لڑکی سے۔ اور تمہارا دامن موخرالذکر امتہ العظیم بنت محمد خلیل الرحمٰن سے بندھا ہے لیکن اس سے تمہیں آرام نہ ملے گا۔ جاؤ۔ جب سید مرتضیٰ قادری بیجاپور پہنچے تو اسی دن بھائی نے نسبت کے بارے میں ان سے گفتگو کی اور انھیں تینوں گھرانوں کا ذکر کیا اور ان کی رائے دریافت کی لیکن آپ خاموش رہے۔ سید ابوتراب قادری نے عبدالرحمٰن مرید و شاگرد محمد خلیل الرحمٰن اور ان کے فرزند کے خسر محمد اسلم کو بلا کر کہا کہ محمد خلیل الرحمٰن سے جا کر کہیں کہ سید مرتضیٰ قادری کو اپنی فرزندی

میں لیں اور اپنی لڑکی امتہ العظیم کو ان سے منسوب کریں۔ آپ نے کہا کہ سید مرتضیٰ اگر طالب علمی کریں تو بہتر ہے پھر مولوی صاحب مذکور نے مولانا کی زوجہ محترمہ بی بی راجی سے ذکر کیا تو آپ نے بھی وہی جواب دیا اس کے بعد نسبت طے ہوئی اور شادی ہوگئی لیکن شادی کے کچھ عرصہ بعد بی بی امتہ العظیم پر جذب کی کیفیت طاری ہوگئی۔ ان کے حالات فصل پنجم میں بیان ہوں گے۔

حضرت عارف باللہ بیجاپور میں قیام کے زمانے میں اس حویلی میں رہتے تھے جو افضل العلماء شیخ ابوتراب کی حویلی سے متصل تھی جہاں اب حضرت سید شمس الدین کے صاحبزادے سید عبداللطیف کی حویلی ہے۔ جب حضرت عارف باللہ یہاں سے سندھنور تشریف لے گئے اور وہیں مستقل قیام کا ارادہ کیا تو سید عبدالقادر اور سید مصطفےٰ دونوں

؎ یہ کہا گیا ہے کہ جب حضرت عارف باللہ بیجاپور سے گوگی آئے اس کی اطلاع جناب سید طاہر عرف شاہ حضرت قادری اور حضرت خلف میراں شاہ عبداللطیف لاابالی قدس سرہٗ کو ہوئی۔ آپ نے ایک رباعی بطور دعوت ادھونی سے لکھ کر بھیجی۔

رباعی

اے آفتاب خاور دہ بہ ستیں بیا ॥ وے مہتاب انور این ذرہ بیں بیا
از بہر این فقیر قدم رنجہ کن بخیر ॥ بخلص چو بندہ زمانی نشین بیا

پہلی صحبت میں سید طاہر قادری و شیخ صاحب بلاری اور شاہ صاحب بلادقی نے حضرت سے فیض حاصل کیا تھا اور قادر لنگا صاحب کوتال نے خرقہ قادریہ بھی آپ سے حاصل کیا تھا اور دونوں معاصر تھے۔

صاحبزادوں نے بھی وہیں توطن اختیار کیا۔ ان کا ذکر آگے آئیگا۔ حضرت عارف باللہ نے مرض رحلت سے قبل اس کی تکرار کی کہ مجھے جناب باری سے قریب میں ایک منصب عہدہ عطا ہوگا۔

حضرت کا قاعدہ تھا کہ آپ بعد نماز فجر حجرہ سے باہر پتھر کے ایک کونے پر بیٹھا کرتے ایک دن اسی پتھر پر بیٹھے ہوئے تھے کہ پتھر لڑھک کہ آپ کی پنڈلی پر آرہا جس سے ہڈی ٹوٹ گئی۔ لوگوں نے آپ کو کمرہ پر پہنچایا اور پٹی باندھ دی لوگوں کے جانے کے بعد آپ نے پٹی کھول دی اسی طرح تین دن تک لوگ پٹی باندھتے اور آپ کھولتے رہے۔ اسی زخم سے آپ جانبر نہ ہوسکے اور ۲۶ جمادی الثانی ۱۱۲۸ھ یوم پنجشنبہ کو وصال فرمایا آپ کا مزار موضع گومری سے باہر ہے گومری پرگنہ سندھنور سرکار مدگل کا موضع ہے جو سندھنور سے ایک کوس کے فاصلے پر واقع ہے مقبرہ کے اطراف احاطہ کی دیوار ہے اور احاطہ میں پتھر کی بنی ہوئی مسجد ہے صحن میں املی اور نیم کے درخت ہیں۔ مزار بھی پتھر سے بنایا گیا ہے لوگ زیارت کیلئے آتے ہیں:

تاریخ

شاہ شمس الدین رئیس الاصفیا — عارف باللہ ندیم کبریا
مصدر اسرار قادر ذات او — مظہر نور نبی الانبیا
چوں شراب ارحق رانوش کرد — زین جہاں شد مست دیدار لقا
در غم آں آفتاب پر ضیا — تاج از سر بافگنند اتقیا
از سنین رحلتش در گوش دل — گفت ہاتف "رفت شمس اولیا"

[illegible]

۱۱۲۸ھ

دیگر

شمع آفاق شاہ شمس الدین — از قضا بر دسوئے جنت رفت
گفتم از دل کہ چیست تاریخش — گفت او رہنمائے عالم رفت

۱۱۲۸ھ

دیگر

یا شاہا شمس الدین قادری

۱۱۲۸ھ

کہتے ہیں کہ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے سید عبدالقادر نے ارادہ کیا کہ جنازہ گومری سے جائیں۔ قادر عنبر خاں فرزند رئیس عنبر خاں اور حضرت کے چھوٹے صاحبزادے سید مصطفٰے کا خیال تھا کہ جنازہ موضع دھڑلیکور لے جایا جائے۔ اہلیان سندھنور چاہتے تھے کہ سندھنور میں دفن کریں۔ ان میں آپس میں تنازعہ کی صورت پیدا ہوئی۔ سید مصطفٰے اور قادر عنبر خاں کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی جنازہ اٹھایا گیا۔ لوگ گومری کے قریب موضع دھڑلی کور کے راستے پر ٹھیر گئے۔ اچانک جنازہ وزنی ہوا اور لوگ چلنے سے عاجز آگئے۔ حضرت عارف باللہ نے اشتداد مرض کے دوران لوگوں نے بیجاپور چلنے کی درخواست کی تھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ سید صاحب نے گومری میں سکونت اختیار کی ہے اس موضع کی حفاظت ہم پر لازم ہے۔ آپ کے صاحبزادے سید عبدالقادر عرف سید صاحب نے پھر کہا کہ گومری اگر آپ کی زیارت گاہ ہو تو بہتر ہے قادر عنبر خاں کو بھی حضرت کا قول یاد آگیا تو اس نے کہا کہ حضرت اس کو پسند فرماتے ہیں تو مناسب ہے اس کے بعد جنازہ ہوا میں معلق ہوکر رواں ہوا اور عوام پیچھے پیچھے اس مقام تک پہنچے جہاں جنازہ

از خود کا اور وہی مقام حضرت کا مدفن بنا۔ عوام سے اور کئی خوارق سننے میں آئے ہیں لیکن یہاں اس قدر گنجائش نہیں کہ تحریر کئے جائیں۔

سال وفات کے بارے میں بھی بعض ۱۱۱۹ھ بتاتے ہیں اور مادہ تاریخ ختم الاولیاء کا ذکر کرتے ہیں اور بعض ۱۱۲۰ھ (انا البازی و شہب کل شیخنا ر ۱۱۲۰ھ) لیکن جمہور کا اتفاق ۱۱۲۰ھ ہے۔ حضرت سید شاہ اسمٰعیل قادری ابن حضرت سید عبدالقادر قادری صاحب حال اور شیخ کامل تھے۔ آپ نے اپنی زندگی عالم تجرد میں گذار دی آپ کو اپنے بھائی حضرت سید شاہ شمس الدین قادری سے نسبت تھی ؏۱۔ آپ نے سید عبدالرحمٰن بن ابی بکر العیدروس صاحب۔ کرنٹی اور دوسرے علما۔ کی خدمت میں بھی کچھ عرصہ گذارا اور فرزندان عارف باللہ (سید شمس الدین قادری) کی تربیت و پرداخت بھی کی۔ پرگنہ سندھنور میں موضع گومرسی اور موضع جلیسر

؏۱ خلفائے شاہ شمس الدین قادری۔ (۱) سید عبدالقادر قادری فرزند اکبر (۲) سید ابوتراب فرزند خورد (۳) سید عبداللطیف فرزند سوم (۴) شاہ مرتضیٰ قادری فرزند چہارم (۵) سید مرتضیٰ قادری شہید فرزند پنجم (۶) سید اسمٰعیل قادری برادر خورد (۷) سید محی الدین قادری برادر (۸) شیخ بلارتی (۹) شاہ صاحب بلارتی (۱۰) شاہ حضرت بن شاہ عبداللطیف (۱۱) سید زین مقبل (۱۲) سید عبدالرحمٰن عیدروس (۱۳) سید احمد النظیر (۱۴) سید ابوبکر بردم۔ (۱۵) سید حسین قادری بغدادی سندھنوری (۱۶) سید عالم بادشاہ بن شیخ لطف اللہ بن شیخ اسمٰعیل۔ عالم بادشاہ کا مزار پرگنہ سندھنور میں مشہور و زیارت گاہ خلائق ہے (۱۷) محمد جنگلی سانگندہ فرزند عالم بادشاہ۔ عالم بادشاہ اور سید شمس الدین قادری ماموں و پھوپی زاد بھائی ہیں۔ عالم بادشاہ شمس الدین قادری کے ماموں کے لڑکے ہیں۔

پرگنہ کوہ حویلی بیجاپور میں دو چادر زمین کی سند شہنشاہ عالمگیر سے اپنے بھائی کو اطلاع دیے بغیر اپنے برادر زادوں کے لیے حاصل کی اور ان سب کو عارف باللہ کا مرید کیا اور خلافت دی۔ وہ میرے چچا سید عبدالقادر قادری اور والد سید محمود قادری ہیں۔ بعض مریدوں کے شجروں میں حضرت سید اسمٰعیل قادری کا نام اپنے والد سید شاہ مرتضیٰ قادری اور دادا سید شمس الدین قادری کے درمیان شریک کیا ہے۔ آپ نے سید محمود قادری بن سید مرتضیٰ قادری بن عارف باللہ (سید شمس الدین قادری) کی پرورش و تربیت کی اور اپنے نام کے مواضعات عدلانی وغیرہ کو سید محمود کے نام ہبہ کر دیا۔ آپ کا وصال ۱۰ ربیع الاول ۱۱۴۹ھ کو موضع گومرسی میں ہوا۔ مزار احاطہ درگاہ حضرت سید شمس الدین قادری میں چبوترہ کے مشرق میں ہے۔

تاریخ

جو جگ زمانہ شہ اسمٰعیل   بقرب خدا صاحب جاہ بود
ہمیشہ حضوری بحق داشتہ   بیاد خدا خوگر دیدہ بود
بہر جا کہ دیدہ جمال خدا   ہمہ ظلمت قید بریدہ بود
بہر طالب حق کہ صادق بدید   باعلیٰ مقامش رسانیدہ بود
بگفت ہاتف غیب معجز مقال   کہ تاریخ آں رہبر خلق بود

۱۱۴۹ھ

سید محی الدین بن سید عبدالقادر قادری بھی صلحا میرا بلند مقام کے حامل تھے۔ آپ نے گوشہ نشینی اختیار کی اور

ریاضت میں مشغول رہے آپ کا شمار بیجاپور کے بزرگوں میں ہوتا ہے۔ طریقت میں آپ نے حضرت سید شمس الدین قادری کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور سید بدرالدین و سید میراں ابنائے حضرت شاہ ابوالحسن قادری کی صحبت فیض اثر میں رہتے کہ یہ دونوں بزرگوار آپ کے خسر تھے۔ آپ بیجاپور میں پیدا ہوئے اور یہیں قیام پذیر رہے اور ۱۱۰۰ھ میں بڑی وبا[1] کے آخر دور میں جبکہ عالمگیر نے بیجاپور کو تسخیر کر لیا تھا انتقال کیا۔ آپ کا مزار بیجاپور کے حصار کے اندر خانقاہ قادریہ شاہ ابوالحسن ثانی کے پیچھے واقع سی بازار گنج اکنی کی طرف چبوترہ پر ہے۔ لیکن قبر کا تعین نہ ہو سکا۔ قطعہ تاریخ حسب ذیل ہے:۔

تاریخ

ولی یگانہ شہ محی الدین — بہ چشم یقیں سر حق دیدہ بود
بجز حق نہ بودہ بہ کس آشنا — شب و روز در صحو در محو بود
بجستم ز دل طرز تاریخ او — بگفتہ دلم یکصد و الف بود

۱۱۰۰ھ

ایضاً

چوں شیخ رفتہ نوشتہ قضا — بفرماں یوم عمر خط بیض
فرشتہ ندا داد در گوش دل — شدہ سال تاریخ آں بحر فیض

۱۱۰۰ھ

---

[1] کہا جاتا ہے کہ بڑی وبا ۱۰۹۹ھ میں پھیلی اور اس کا سلسلہ طویل عرصہ تک جاری رہا۔ "بود وبا از مغل" تاریخ ہوئی ہے (مؤلف)

۱۰۹۹ھ

آپ کی زوجہ امۃ الشکور بنت سید بدرالدین بن حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری تھیں آپ سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اور آپ جلدی انتقال کر گئیں۔ آپ کی دوسری بیوی سیدہ بیبی ابن سید شاہ ابوالحسن قادری کی لڑکی تھیں۔ ان کے بطن سے ایک لڑکی بی بی رقیہ تھیں جو اپنے چچا زاد بھائی سید عبدالقادر بن سید شمس الدین قادری کے عقد میں آئیں ان کا ذکر چوتھی فصل میں ہوگا۔

فصل چہارم

ذکر فرزندان سید شمس الدین قادری اور ان کی اولاد

سید عبدالقادر حضرت سید شمس الدین قادری کے بڑے لڑکے تھے۔ عالم، فاضل، صالح اور عبادت گذار تھے۔ اوراد و اذکار میں مشغول رہتے۔ ظاہری مال و اسباب بھی بہت تھے۔ وہ اپنے والد کے فیض یافتہ تھے اور سید شاہ ابوالحسن الثانی سے بھی تبرک و اجازت حاصل کی تھی۔ آپ کا مولد بیجاپور ہے لیکن آپ نے سیاحت کی اور پھر بیجاپور سے موضع گورسی قصبہ سندھنور سرکار مدگل[1]۔

---

[1] سندھنور رائچور ضلع کا ایک تعلقہ ہے اور مدگل ایک قصبہ رہ گیا ہے۔ یہاں کا قلعہ دکن کی تاریخ میں کافی اہمیت کا حامل رہا ہے (مترجم)

میں قیام کیا اور موضع کو آباد کیا۔ لیکن جب حصہ داروں میں جھگڑے پیدا ہوئے تو آپ "سرہ" چلے گئے اور کچھ عرصہ تک وہیں مقیم رہے۔ آپ کے بھائی سید مرتضیٰ اور سید عبداللطیف آپ کو گومرسی لائے۔ آپ نے یہیں قیام کیا اور ١٢ ذوالحجہ سنہ ١١٦٠ھ کو انتقال کیا۔ رحلت کے وقت آپ کی عمر اسّی سال سے زیادہ تھی۔ آپ کا مزار احاطہ حضرت شمس الدین قادری کے چبوترہ کے پائیں میں علیحدہ سنگین چبوترہ پر ہے۔ قطعہ تاریخ یہ ہے:

تاریخ

زہے ذات قادر بوصف کمال — ز ہم عصر ہم جنس بردہ سبق
وحید زمانہ فرید زماں — لباس دوئی راز دل کردہ شق
مراتب بحق بود در روز و شب — نماندہ بہ سبحان حجاب و تتق
بتاریخ رحلت فرشتہ ز غیب — بگفتہ بہ دل "منبع فیض حق"

١١٦٠ھ

آپ کا عقد بی بی رقیہ بنت سید محی الدین برادر حضرت سید شمس الدین قادری سے ہوا۔ چنانچہ اس کا ذکر فصل سوم کے آخر میں آچکا ہے۔ آپ بھی عابدہ و صالحہ تھیں اور سید ابوالحسن الثانی سے تربیت پائی تھی۔ مقام پیدائش بیجاپور تھا اور انتقال شوہر کے حین حیات ۵ محرم کو گومرسی میں ہوا۔ درگاہ شمس الدین قادری میں اپنے شوہر سید عبدالقادر قادری کے پہلو میں دفن ہوئیں۔ آپ کے بطن سے تین لڑکیاں فاطمہ صاحبہ، سلطان صاحبہ اور جمال صاحبہ تھیں۔ فاطمہ صاحبہ

صغر سنی میں سندھنور میں انتقال ہوا اور شاہ حسین قادری کے روضہ میں جو قلعہ سندھنور سے متصل ہے دفن ہوئیں۔ فاطمہ بی بی کی وفات کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن ان کی والدہ نے ان کو حضرت عارف باللہ کے کمرہ میں چھوڑا آپ نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے قریب کھینچ کر گود میں بٹھا لیا اور نام پوچھا۔ بی بی ذکو نے جواب دیا کہ اس کا نام فاطمہ ہے۔ آپ نے بچی سے مخاطب ہو کر کہا کہ دنیا میں نہ رہو ہم بھی نہیں رہیں گے۔ کہتے ہیں کہ دوسرے دن لڑکی کا انتقال ہو گیا۔

سلطان صاحبہ* بنت سید عبدالقادر قادری سندھنور میں پیدا ہوئیں اور عرصہ دراز تک گومرسی میں مقیم رہیں۔ آخر عمر میں اپنے لڑکے اور بہن سے ملاقات کی خاطر بیجاپور پہنچیں اور ان کا انتقال وہیں ۱۰ ربیع الاول سنہ ١٢٠٧ھ کو ہوا۔ آپ کا مدفن سید ابی الحسن الثانی کی خانقاہ کے پیچھے سید نوراللہ بن سید ابی الحسن الثانی کے پائیں میں ہے۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ستر سال سے زائد تھی۔ آپ کا عقد سید عبدالقادر بن سید نوراللہ بن سید ابی الحسن الثانی سے ہوا۔

---

* سلطان صاحبہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی پیدائش کے بعد دو سال تک کوئی نام نہیں رکھا گیا۔ دو سال بعد آپ کی والدہ بی بی رقیہ نے والد کے حجرہ میں چھوڑا جب آپ کی نظر پڑی تو نام پوچھا ماں نے جواب دیا کہ اس کا ابھی کوئی نام نہیں رکھا گیا۔ آپ کو کوئی علم نہیں تھا۔ آپ نے کہا کہ یہ سلطان الاولیاء کی کنیز ہے۔ اس لئے اس کا نام سلطان رکھا جائے۔

آپ کے پانچ لڑکے۔ (۱) حسن صاحب (۲) شمس الدین (۳) سید نوراللہ عرف نقیر صاحب (۴) سید مصطفیٰ عرف بڑے صاحب اور (۵) سید عبداللہ عرف سید صاحب اور چار لڑکیاں، صاحبنی صاحبہ، رابعہ صاحبہ، فاطمہ بی اور خیرالنساء تھیں۔ حسن صاحب اور شمس الدین صغر سنی میں اپنے مولد گومرسی میں انتقال کر گئے اور عارف باللہ کے روضہ میں دفن ہوئے۔ سید نوراللہ[1] گومرسی میں پیدا ہوئے۔ بہت ہی متقی اور پرہیزگار ہیں۔ آپ نے شادی بھی نہیں کی۔ عرصہ دراز تک گومرسی اور سندھنور میں قیام کیا اب عرصہ بیس سال سے بیجاپور میں مقیم ہیں۔ سید مصطفیٰ بھی گومرسی میں پیدا ہوئے آپ کا عقد ماصاحبہ بی بی بنت سید مرتضیٰ بن حضرت سید ابی الحسن الثانی سے ہوا۔ ان کے ایک لڑکا بمقام مدگل پیدا ہوا جس کا نام سید مرتضیٰ تھا لیکن وہ ڈیڑھ سال کا ہو کر وہیں انتقال کر گیا۔ دوسرے لڑکے سید حسین کی پیدائش بھی مدگل ہی کی ہے پھر ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ان کا انتقال بھی مدگل میں ہوا۔ سید مصطفیٰ کا قیام مدگل ہی میں رہا۔ سید عبدالقادر سالکندہ پرگنہ سندھنور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا عقد شہزادی بی بنت سید حسن بن

---

(۱) سید نوراللہ عرف نقیر صاحب نے بیجاپور میں انتقال کیا۔ مزار اندرون حصار بیجاپور سید ابی الحسن ثانی کی خانقاہ کے پیچھے شاہ نوراللہ بن سید ابی الحسن الثانی کے بائیں میں ہے اور ان کی والدہ سلطان صاحبہ کی قبر نقیر صاحب کے شرقی پہلو پر واقع ہے اور [illegible] کی بہن کی قبر سلطان صاحبہ کے شرقی پہلو میں ہے۔

سید مرتضیٰ بن سید ابی الحسن الثانی سے ہوا۔ لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ کی قیام گاہ بھی مدگل ہے۔ سلطان صاحبہ کی دوسری دو لڑکیاں صاحبنی اور رابعہ جو گومرسی میں پیدا ہوئی تھیں وہیں صغر سنی میں انتقال کر گئیں اور مقبرہ عارف باللہ حضرت سید شمس الدین میں دفن ہوئیں فاطمہ بنت سلطان صاحبہ کی شادی سید لطف اللہ عرف میاں صاحب بن سید عبداللطیف بن عارف باللہ سے ہوئی تھی انھیں کوئی اولاد نہ ہوئی یہ گومرسی اور سندھنور میں قیام پذیر رہیں۔ وہ ۱۳۰۷ھ میں قحط سالی کے سبب گومرسی سے بیجاپور آئیں اور اسی سال ماہ جمادی الاول میں بعمر ساٹھ سال انتقال کیا اور اندرون حصار بیجاپور سید ابی الحسن الثانی کی خانقاہ کے پیچھے والدہ کی قبر سے متصل دفن ہوئیں۔ خیرالنساء بنت سلطان صاحبہ سید شمس الدین بن سید عبداللطیف سے منسوب ہوئیں لیکن عقد سے پہلے گومرسی میں انتقال کیا اور درگاہ کے احاطہ میں دفن ہوئیں۔ [illegible] بنت سید عبدالقادر قادری اپنے چچازاد بھائی سید احمد بن سید ابوتراب بن عارف باللہ سید شمس الدین قادری کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ کنکال میں پیدا ہوئیں اور سندھنور اور گومرسی میں اکثر و بیشتر قیام رہا۔ شادی [illegible] میں ہوئی۔ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد بیجاپور آئیں اور زندگی کے آخری اٹھارہ سال یہیں گذارے اور یہاں سے [illegible] میں اپنے متبنیٰ چندا کے ہمراہ جس کو انھوں نے عالم شیرخوارگی کو

ایک ہندو سے لے کر پرورش کی تھی۔ قحط کے سبب بترہ
کی طرف گئیں اور چند ماہ بعد وہیں انتقال کر گئیں۔ اس وقت
اُن کی عمر ساٹھ سال تھی۔ سید عبدالقادر قادری بن حضرت سید
شمس الدین قادری قدس سرہٗ اپنی جوانی میں برار کی طرف گئے اور
دیوگراھ، چاندہ میں خانم صاحبہ بنت جہاں خاں قوم افغان سے
عقد کیا تھا۔ یہ خاتون عفیفہ صالحہ خوش نصیب اور دولت مند تھیں،
شوہر کے انتقال کے بعد بھی عرصہ دراز تک سالکندہ میں مقیم رہیں
اور وہیں انتقال کیا اور اپنے شوہر کے پہلو میں مدفون ہوئیں۔
سید عبدالقادر کو کئی کنیزیں اور حرم تھیں۔ مخدوم نامی ایک کنیز جسکی
عرفیت منو تھی۔ اس کا باپ جنجانہ گر تھا اس کے بطن سے
ایک لڑکا سید محی الدین تھا۔ لیکن لوگوں کو اس کے نسب کے بارے
میں شک تھا۔ اس کی پیدائش گومری کی تھی اور وہ گومری سندھور
اور سالکندہ میں رہا کرتا تھا انتقال گومری میں ہوا اس کی قبر درگاہ
حضرت شمس الدین کے احاطہ میں ہے۔ اس کی بیوی مریم بنت سدی
عبداللہ بن سدی یعقوب بن یونس عنبر خاں دیسائی پرگنہ سندھور
تھی اس کے بطن سے آٹھ لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں لڑکوں میں۔
(۱) سید عبدالقادر (۲) سید میراں۔ (۳) سید مصطفےٰ (۴) سید مرتضیٰ (۵) شاہزادہ
(۶) سید محمد (۷) سید مخدوم (۸) سید شمس الدین عرف سکی صاحب اور
لڑکیاں ماں صاحبہ بی بی، رقیہ بی بی تھیں۔ سید مصطفےٰ اور سید مرتضیٰ
صغر سنی میں فوت ہو گئے اور درگاہ عارف باللہ میں مدفون
ہوئے۔ سید عبدالقادر نے باکل کوتال تعلقہ سرکار ادونی میں

تادر لنگا کے خاندان میں شادی کی اور وہیں قیام کیا۔
اس کے صرف ایک لڑکی رقیہ تھی۔ اس نے اپنی بہن کا عقد
بھی وہیں کیا تھا۔ سید میراں اور شاہزادہ ملازمت کرتے ہیں
ان کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ مریم زوجہ سید محی الدین نے ۱۲۰۶ھ
میں وفات پائی اور احاطہ عارف باللہ میں دفن ہے۔

دوسرے لڑکے سید ابوتراب بن سید شمس الدین قادری
قدس سرہٗ صالح، متقی، پرہیزگار، قبیلہ پرور اور یگانہ
زمانہ تھے اور اپنے والد سے فیض حاصل کیا تھا۔ آپ بیجاپور میں
پیدا ہوئے اور والدہ کے انتقال کے بعد یہاں سے نکل کر سیاحت
کی اور واپس ہوئے پھر اپنے ماموں محمد افضل کے انتقال کے
بعد ان کے تمام اہل خاندان کی پرورش کی۔ اکثر توکل پر گذر کرتے
کچھ عرصہ تک بیجاپور میں ایک زمین بھی ان کی وجہ معاش
تھی، ۲۰ ذالحجہ ۱۱۶۹ھ کو انتقال ہوا اور حضرت شاہ قاسم قادری
کی درگاہ میں جنید خاں کے چبوترہ کے ایک گوشہ پر گنبد مبارک
سے متصل مدفون ہوئے۔ ان کی قبر کے اطراف احاطہ کھینچا
گیا ہے۔ قطعہ تاریخ یہ ہے۔

تاریخ

زسادات سالار بد بوتراب ۔ جہاں راشدہ نسخۂ انتخاب
ز اہل صفا بود و از اہل جمع ۔ کہ در زمرۂ اہل دل بود شمع
صفا قلب بودہ ز نور ہدیٰ ۔ شب و روز در پیرو مصطفیٰ
ہزار و صد و خفت وفتہ بود سال ۔ کہ ناگہ بنوشید جام زلال
۱۱۶۹ھ

کہتے ہیں کہ جنید خاں ابراہیم بن اسمٰعیل بن یوسف عادل شاہ
کے عہد میں حوال دار قلعہ بیجاپور تھا۔ اس نے دہلیز، مسجد اور احاطہ
جس میں حضرت شاہ قاسم کی درگاہ ہے تیار کرایا تھا اور خود
مسجد کے مقابل گچ کے چبوترہ پر دفن ہے۔ ابراہیم عادل شاہ
پسر شاہ طہماسپ بن ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں حضرت
شاہ قاسم بیدر سے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے نکلے
اور اقصائے مشرق اور ہندوستان کی سیاحت کرتے ہوئے
بیجاپور پہنچے۔ "تحفۃ الاقطاب" میں لکھا ہے کہ آپ "علی عادل
شاہ اول" کے دور میں یہاں آئے تھے۔ آپ کا ذکر اوپر آچکا
ہے۔ غرض یہ کہ آپ سید قادری صالح، متدین اور اہل باطن
تھے اور شریعت و طریقت کی راہ پر ثابت قدمی سے گامزن
تھے۔ آپ نے عقد بھی نہیں کیا اور بیس سال سے زائد مدت
تک مسجد جنید خاں میں رہ کر ۲۷ محرم ۱۰۳۲ھ کو ستر سال سے
متجاوز سن میں انتقال کیا اور مسجد کے صحن میں دفن ہوئے مرقد
پر گنبد ہے اور مزار مرجع خلائق ہے۔

حضرت عین الدین گنج العلم جنیدی قدس سرہٗ کے پوتے
حضرت شیخ المعارف شیخ مصطفیٰ جنیدی کے شجرہ سے نقل ہے کہ
سید ابوتراب قادری کا عقد بی بی امۃ الکریم بنت محمد افضل بن
افضل العلما حضرت شیخ ابوتراب مدرس بن شیخ ابوالمعالی بن
شیخ علیم اللہ سے ہوا تھا۔ آپ نہایت عابدہ و صالحہ اور شوہر
کی اطاعت گزار خاتون تھیں۔ آپ بیجاپور ہی میں پیدا ہوئیں،

اور ۱۰ ربیع الاول ۱۱۲۷ھ کو وہیں انتقال کیا اور اپنے
شوہر کے پہلو میں غربی جانب دفن ہوئیں۔ ان سے تین فرزند
ہوئے۔ جنھوں نے صغر سنی میں رحلت کی اور والد کے دائرہ
میں دفن ہوئے اس کے بعد ایک اور فرزند سید احمد ہوئے
سید ابوتراب کے گھر ایک کنیز بھی تھی جس کا نام کستوری تھا۔
جس سے ایک لڑکا عبدالرزاق نامی تھا۔ سید احمد بن سید ابوتراب
عالم باعمل، متقی، عابد و زاہد اور اپنے آبا و اجداد کے نقش
قدم پر چلتے تھے اور استاد البلاد سیدی عبدالرحیم بن سیدی یعقوب
کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا تھا۔ اپنے والد کا اس قدر
اتباع کرتے کہ ان کے معاصرین میں ان کا کوئی ہم سر نہ تھا۔
انھیں اپنے والد کے چچا حضرت شاہ اسمٰعیل قادری سے خرقہ و
بیعت حاصل تھی زہد و ریاضت میں زندگی گزاری اور گوشہ نشینی
اختیار کی اور اہل دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی۔ آپ کا عقد
آپ کی چچازاد بہن بی بی جمال بنت سید عبدالقادر قادری بن
سید شمس الدین قدس سرہٗ سے ہوا۔ لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی
جس کا ذکر پچھلی فصل میں کر دیا گیا۔ آپ کا مولد و منشا بیجاپور
ہے لیکن والد کے انتقال کے بعد سندھنور اور پھر وہاں سے
گومرسی جاکر توکل پر گذران کرتے رہے۔ کچھ دن تک تعلقہ کا
انتظام ان کے تحت رہا۔ جب آپ پر فالج کا حملہ ہوا تو علاج
کیلئے مدگل گئے اور وہیں یکشنبہ ۱۱ ربیع الاول ۱۱۸۰ھ کو ساٹھ
سال کی عمر میں انتقال کیا۔ دوسرے دن سید عارف قادری بن

سید مرتضیٰ بن سید ابی الحسن الثانی جنازہ کو گومرسی لائے اور
عارف باللہ (سید شمس الدین) کے چبوترہ کے پائیں میں دفن کیا۔

عبدالرزاق بن سید ابوتراب قادری نے عرصۂ دراز تک بیجاپور میں قیام کیا اور پھر سند ھنور اور گومرسی کو مستقر بنایا۔ انتقال بھی وہیں ہوا اور تدفین بھی عارف باللہ کے روضہ میں ہوئی۔ ان کا عقد کلثوم بنت سید سالم ساکن سالکندہ پرگنہ دیورکنڈہ سے ہوا تھا۔ ان سے سات لڑکے (۱) سید سلطان (۲) سید محی الدین (۳) سید قاسم (۴) سید عبدالقادر (۵) سید محمد (۶) سید احمد اور ایک لڑکی فاطمہ تھی۔ سید عبدالقادر نے جوانی میں گومرسی میں انتقال کیا اور روضۂ عارف باللہ میں جگہ پائی۔ سید قاسم نے ۱۲۰۷ھ میں بیجاپور میں رحلت کی اور سید ابی الحسن الثانی کی خانقاہ کے پیچھے دفن ہوئے۔ سید سلطان، سید محی الدین، سید احمد سرینگاپٹن کی طرف چلے گئے۔ لڑکی فاطمہ کا عقد ادونی کے ایک شخص سے ہوا۔

سید عبداللطیف ابن عارف باللہ حضرت سید شمس الدین قادری نہایت عالم و فاضل، صالح اور عابد تھے اور علماء و فضلاء کی صحبت میں گذارتے تھے فقیر دوست تھے اور ذکر و شغل میں رہتے۔ اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور صاحب شرع دنیا سے متنفر تھے۔ ان سے کبھی کبھی خرق عادات بھی ظاہر ہوتے تھے کہتے ہیں کہ ایک سال مدگل اور سند ھنور میں بارش نہیں ہوئی اور موسم ختم ہونے لگا۔ ان دنوں سید عبداللطیف گومرسی میں

مقیم تھے۔ اہل دیہہ سید عبدالقادر فرزند عارف باللہ کے پاس آئے اور بارش کے لئے دعا کی درخواست کی اور کہا کہ اگر اجازت ہو تو چلّہ کریں گے۔ آپ نے انھیں اپنے بھائی سید عبداللطیف کے پاس بھیجا جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان سے عہدہ دار دیہہ کے پاس جانے کے لئے کہا۔ لوگوں نے عاجزی کی تو کہا کہ کل میں اپنے والد کی درگاہ پر گائے کی قربانی دے کر تمام گوشت فقیروں اور محتاجوں میں تقسیم کر کے بارش کے لئے دعا کروں گا۔ لوگ چلے گئے تو آپ نے اپنے خدمتگار منور کو پانچ روپے دیئے کہ سند ھنور سے گائے لے آئے جب گائے آئی تو اس کو ذبح کر کے فقرا میں تقسیم کیا۔ ابھی فقرا اپنا حصہ لے جا رہے تھے کہ گھٹا چھائی اور بارش شروع ہو گئی۔ میں نے ایسی کئی کرامتیں اپنے بزرگوں اور ثقات سے سنی ہیں صرف ایک کا ذکر یہاں کیا ہے۔

آپ کا مولد بیجاپور ہے۔ آپ یہاں سے سیاحی کی غرض سے نکلے اور عرصہ دراز کے بعد بیجاپور آئے۔ گومرسی اور سند ھنور میں بھی قیام رہتا تھا۔ توکل پر گذارا تھا۔ کچھ عرصہ کے لئے ادھونی کے صوبہ دار نے معاش عطا کی تھی۔ ۱۲؍ ذی قعدہ ۱۲۱۷ھ کو گومرسی میں آپ کی وفات ہوئی۔ میرے والد اس وقت وہیں موجود تھے۔ آپ کی تدفین آپ کے چچا سید اسمٰعیل قادری کی قبر کے مشرقی پہلو میں عمل میں آئی تاریخ وفات حسب ذیل ہے ۔

از خویشتن گذشتہ نور لطیف گشتہ ۔۔۔ زنگ دوئی من و تو جلا ز دست شستہ

گردیدہ پا بدامن سر را بجیب دادہ — در صبح و لیل دایم با یاد حق نشستہ

تاباں جبین او بود از حلیۂ ریاضت — شد فیض بخش عالم از انفس خجستہ

درگوش عقل جانم ہاتف زغیبش گفت — از دور ایں ہمسایوں والا جناب رفتہ

۱۱۷۰ھ

آپ سے آپ کے ماموں کی لڑکی منسوب تھی یعنی مسماۃ بدر صاحبہ بنت محمد افضل بن افضل العلماء شیخ ابو تراب مدنی سے عقد ہوا تھا۔ وہ بڑی متقی اور صالحہ تھیں اور شوہر کی اطاعت میں کمی نہ کرتیں اور اہل خاندان بھی ان سے خوش تھے۔ شوہر کے انتقال کے بعد وہ ضلالت کے سبب بیجاپور لائی گئیں اور ۵ ربیع الاول ۱۲۰۱ھ کو انتقال ہوا۔ بیجاپور کے حصار سے باہر اپنے دادا حضرت شیخ علیم اللہ محدث کی درگاہ میں اپنی بہن کے غربی جانب دفن ہوئیں۔ سیدہ تقی حضرت عارف باللہ شمس الدین قادری کے جو تھے فرزند تھے۔ ان کے حالات پانچویں فصل میں بیان ہوں گے۔

حضرت موصوف کے پانچویں لڑکے سید مصطفےٰ صالح عالم باعمل صوفی وقت اور صاحب اوراد و اذکار تھے۔ عبادت میں اپنے والد کے جانشین تھے۔ آپ نے اپنے والد کے ماموں قادر صاحب بن شیخ لطف اللہ بن شاہ اسمٰعیل قادری سے تعلیم پائی تھی۔ قادر صاحب اصول و فروع علم تصوف میں یکتائے زمانہ تھے سید مصطفےٰ میں بھی ایسی صفات تھیں۔ آپ کی شادی یونس عنبر خاں کے خاندان میں ہوئی تھی جو دھری سکور میں مقیم تھے۔ آپ بھی بیجاپور سے دھری سکور جاکر مقیم ہوے اور عین جوانی میں

شہید کردیے۔ شہادت کا سبب یہ تھا کہ یونس عنبر خاں دیسائی پرگنہ سندھنور نے دو گوسائیوں کو جو مروارید کے سوداگر تھے مارڈالا اور ان کا مال لوٹ لیا تھا (واللہ علم) کچھ عرصہ بعد گوسائیں قوم کے دو افراد جو مقتولین کے خاندان سے تھے۔ قادر عنبر خاں بن یونس عنبر خاں کے عہد میں بدلہ لینے کی خاطر دھری سکور پرگنہ سندھنور آئے۔ پانچ چھ دن آبادی سے باہر پینٹ میں ٹھہرے اور باور یہ کرایا کہ وہ کیمیا جانتے ہیں۔ ایک دن سید مصطفی قادری عصر کے بعد پینٹ گئے ان کے جسم پر لباس فاخرانہ تھا۔ دیسائی کے سپاہی اور دوسرے لوگ سبھی بیٹھے تھے۔ گوسائیوں نے سید مصطفےٰ کو رئیس جانا اور قریب آکر کہا کہ ہم دیسائی سے ملاقات کے متمنی ہیں اور ان سے کچھ عرض کرنا ہے۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ دیسائی میں ہوں جو کچھ کہنا ہو کہو۔ پھر انھوں نے کیمیا گری کے تعلق سے باتیں کیں اور پھر تخلیہ میں گفتگو کا خیال ظاہر کیا اور کہا کہ اکسیر تیار ہے آپ کے سامنے اس کی آزمائش کریں گے۔ یہ سن کر آپ متصل عمارت میں جہاں صرف ایک کھڑکی تھی گئے اور وہ دونوں گوسائیں اندر داخل ہوے۔ چھوٹی کٹاریوں سے جنھیں وہ چھپائے ہوئے تھے نکال کر ضربیں لگائیں۔ سید مصطفےٰ نے اندر سے نعرے لگائے۔ لوگ سن کر دوڑے اور قادر عنبر خاں کو اطلاع دی وہ اپنے تمام سپاہیوں سواروں اور پیادوں کو لے آئے لیکن کسی نے اندر جانے کی جرات نہ کی۔ سید مصطفی

کے بڑے بھائی سید عبداللطیف جو دھوڑی سکور میں رہتے تھے
یہ اطلاع سن کر آ گئے اور بے تحاشا اندر داخل ہوئے۔
ایک تو خالی ہاتھ تھے اور دوسرے رات کا وقت تھا۔
گوسائیوں سے کشتی لڑ کر ایک کو زیر کیا اور اس کے سینے پر
چڑھ بیٹھے۔ دوسرے گوسائیں کو اس کا علم نہ ہو سکا کہ گرنے والا
کون ہے۔ اس لئے اس نے حملہ نہ کیا۔ اس اثنار میں سید مصطفٰے
بمشکل تمام دریچہ سے باہر نکلے اور سید عبداللطیف گوسائیں کو گھونسوں
سے نیم جان کر کے دوسرے گوسائیں کی طرف متوجہ ہوئے۔
اس نے کٹار کا ایک زخم کمر پر لگایا۔ آپ ویسے ہی باہر آگئے
اور تعلیم خانے کو آگ لگا دی۔ گوسائیں آگ سے پریشان
ہو کر باہر نکلے۔ ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا دریائے تنگبھدرا میں
جو قریب ہی بہتی تھی کود گیا۔ لیکن تعاقب کر کے اس کو بھی
قتل کر دیا۔ سید عبداللطیف کے زخم درست ہونے میں کافی
عرصہ لگا لیکن سید مصطفٰے جانبر نہ ہو سکے اور ۷ رمضان المبارک
کو انتقال کیا اور حضرت سید شمس الدین کے چبوترہ کے بائیں
میں مدفون ہوئے۔

قطعۂ تاریخ

زسادات بد سید مصطفٰے — شب وروز در پیروِ مصطفٰی
ز اخلاق محمود موصوف بود — زاہل تبع بود و زاہل صفا
ز تقویٰ بظاہر بیارا ستہ — صفا بود باطن ز نور رضیا
زہے کامل وقت یکتائے عصر — زہے شاہ آگاہ سرِّ خدا

شد او ماہ رمضاں بہ ہفتم شہید — ز ناسوت شد سوئے ملک بقا

۱۰۹۷ھ

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کی شادی رابعہ صاحبہ
عرف ماصاحبہ بی بی بنت یونس عنبر خاں دیسائی پرگنہ سندھنور
سے ہوئی تھی۔ خان مذکور حبشی ہے اور اس کا تعلق آپ سے
اس طرح ہوا کہ وہ اپنے پیر و مرشد حضرت عارف باللہ سید
شمس الدین قادری کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ایک عرصہ سے
میری یہ خواہش ہے کہ میں اپنی لڑکی کو آپ کے صاحبزادے
سید مصطفٰے قادری کے حبالۂ عقد میں دے کر سعادت دو جہاں
حاصل کروں۔ آپ نے قبول فرمایا اور اس کی دعوت پر اس کے
گھر تشریف لے گئے۔ اس نے صرفۂ کثیر سے شادی کا جو ساز و سامان
تیار کیا تھا آپ کے سامنے لایا اور کہا کہ یہ سب سامان تیار
کر کے کنیز کے ہمراہ صاحبزادہ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں حضرت
نے فرمایا کہ میں صرف نیم پشتولہ ہی گھر لے جاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ
خان مذکور نے شادی کی تیاری کی اس اثنار میں جو ٹگیرہ ناڈورنا
پرگنہ سندھنور کی رہنے والی ایک عورت بستما نامی اس سے
دشمنی رکھتی تھی علی خاں کے پاس گئی جو "دلیر خاں"
صوبہ دار دکھن کا پروردہ تھا اور مدگل اور ادھونی کا اس کی
جانب سے حاکم تھا اس نے فوج لا کر تمام دیہات، اسباب
اور دولت و مال کو تباہ و تاراج کر دیا اس طرح سید مصطفٰے کی
شادی کے موقع پر کچھ مہیا نہ ہو سکا اور حضرت عارف باللہ نے

جیسا کہ زبان مبارک سے فرمایا تھا ہم پشتو لی بی سے ان کی شادی کی۔ ان صاحبہ بی زوجہ سید مصطفیٰ بہت صالح اور خوش خلق تھیں - شوہر کے انتقال کے بعد عرصہ دراز تک موضع دھوڑی سکورو میں مقیم رہیں اور وہیں ۲۰ شعبان کو انتقال کر گئیں۔ انھیں روضہ عارف باللہ کے چبوترہ کے بائیں میں دفن کیا گیا۔ ان کے بطن سے دو لڑکے سید محی الدین عرف حضرت صاحب اور سید عبدالقادر عرف قادر بادشاہ تھے اور دو لڑکیاں قاسم صاحبہ اور سلطان صاحبہ تھیں جن کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں۔

حضرت عارف باللہ سید شمس الدین قادری کی تین لڑکیاں تھیں۔ سلطان صاحبہ، صاحبنی صاحبہ اور رابعہ صاحبہ لیکن یہ تینوں صغر سنی میں بڑی وبا کی نذر ہو گئیں (اس کا ذکر آگے بیان ہوا ہے) اور خانقاہ سید ابی الحسن الثانی کے پیچھے دفن ہوئیں رابعہ[۱] نے ۱۳ شعبان کو انتقال کیا اور خانقاہ کے پیچھے اپنے چچا سید محی الدین قادری کی قبر کے نزدیک دفن ہوئیں۔

---

(۱) معتبر راوی کا کہنا ہے کہ بی بی رابعہ کی رحلت کا واقعہ یہ ہے کہ شاہ عبداللطیف قادری نے اپنے لڑکے شاہ حضرت قادری کے لئے حضرت عارف باللہ کے پاس پیام بھیجا۔ آپ نے پیام لانے والوں سے کہدیا کہ یہ نسبت نہ ہو سکے گی اور خود گھر میں تشریف لے گئے۔ لڑکی کو صحن میں کھڑا دیکھا تو فرمایا کیا تم اب تک زندہ بے پردہ ہو جاؤ۔ کہتے ہیں کہ اسی دن سے اس لڑکی کا مزاج بگڑا اور تیسرے دن انتقال ہو گیا۔

فصل پنجم

ذکر سید مرتضیٰ بن سید شمس الدین قادریؒ

سید شاہ مرتضیٰ بن عارف باللہ سید شمس الدین قادری نہایت صالح، روشن دل، صاحب حال، زاہد مرتاض اور علائق دنیوی سے دور رہنے والے تھے۔ نیک کاموں میں حصہ لیتے اور لہو و لعب سے دور رہتے اور ہمیشہ ذکر و شغل میں وقت گذارتے۔ قرآن پاک کی تلاوت زیادہ کرتے۔ وہ اپنے والد کے مرید اور خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی اور معارف کی تحصیل انھیں سے کی۔ عرصہ دراز تک وہ والد کی خدمت میں رہ کر سعادت و برکات حاصل کرتے رہے۔ سفر و حضر میں آپ کے ہمرکاب رہ کر منظور نظر بنے چنانچہ ایک روز آپ نے انھیں طلب کیا اور کہا اے میرے بیٹے! میں نے خدا کی بارگاہ میں جو کچھ بھی طاعت کی ہے۔ تجھے دیتا ہوں۔ خانوادہ قادر عالیہ کی سجادگی جس کا مجھ سے تعلق ہے تجھے عطا کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ تجھے دنیا و دین میں معزز کرے گا۔ سید مرتضیٰ نے اپنے خسر سید العلما حضرت محمد خلیل الرحمن کی خدمت میں رہ کر بھی فیض پایا ہے۔

حضرت محمد خلیل الرحمن بھی درویش مرتاض اور خلوت گزیں تھے اور ظاہر التعلق

ے صوبہ بیجاپور کے صدر تھے۔ ان کے تفصائل مشہور ہیں۔ چنانچہ
میرے چچا سید عبدالقادر قادری فرماتے تھے کہ آپ فجر کے
وضو سے ظہر کی نماز ادا فرماتے اور ظہر کے وضو سے عشا پڑھتے
کبھی بے وضو نہ رہتے اگر کبھی حاجت ہوتی تو پھر فوراً وضو کر لیتے
زیادہ وقت عبادت میں گذرتا اور تسبیح ہمیشہ ہاتھ میں رہتی
غرض کہ اپنے معاصرین میں آپ بہت زیادہ صفات حسنہ کے
حامل تھے اور آپ سے کبھی کبھار خوارق عادات بھی ظہور میں
آئے ہیں۔ چنانچہ یہاں ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ
آپ ایک سال بیجاپور سے ادھونی جانے لگے آپ کے ہمراہ
آپ کے لڑکے سید عبدالقادر اور سید محمود اور عبدالقادر کے ماموں
صوفی صاحب کے شوہر تھے اثنائے راہ میں دھرانی کی منزل میں عبدالقادر بہت
پریشان ہو رہے تھے اور واپس ہو جانا چاہتے تھے۔ بہت کچھ سمجھایا لیکن نہ مانے
رات میں اپنے کپڑوں کو چراغ پر جلا کر ... کو آزردہ کیا اور علی الصبح واپس
ہو گئے۔ چار پانچ کوس کا فاصلہ طے کرنے کے بعد آواز آئی کہ اے عبدالقادر
آگے نہ جا۔ لوٹ آ۔ یہ آواز سید مرتضیٰ کی جان کر بہت کچھ
ادھر ادھر دیکھا جب کچھ نہ معلوم ہوا تو قدم آگے بڑھائے
چند قدم چلے تھے کہ پھر آواز آئی۔ وہ ٹھہر گئے اور غور کرنے
لگے کہ کیا واقعہ ہے لیکن نتیجے پر نہ پہنچ سکے اور پھر سفر جاری
رکھا۔ ایک گھنٹہ نہ گذرا ہوگا کہ آواز پھر آئی لیکن وہ محض سراب
اور دھوکہ سمجھ کر چلتے رہے۔ کچھ دیر بعد دیکھا کہ سامنے کے
پہاڑ پر سے چند لوگ نیچے اتر رہے ہیں ان کے ایک ہاتھ میں

چھریاں اور دوسرے میں خون آلود کٹے ہوئے اقتاقی سر ہیں
وہ کہہ رہے ہیں کہ عبدالقادر کو پکڑ لو اور اس کا بھی سر کاٹو۔
جب عبدالقادر نے خطرہ محسوس کیا تو پریشان ہو کر گرتے
پڑتے بھاگے اور موضع دھرنیکور پہنچ کر باپ کے قدموں پر
گر کر زار زار رونے لگے اور عفو تقصیر کے طالب ہوئے۔ یہ
حکایت مجھ سے عبدالقادر نے خود ہی بیان کی تھی۔

دوسری حکایت یہ ہے کہ سید مرتضیٰ قادری دھرنیکور ہی
میں تھے کہ ایک شخص روتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میرے ایک بچے کو
جس کی عمر دس سال کی تھی مگرمچھ نے کھا لیا ہے۔ آپ نے
اس سے کہا کہ اس مقام پر جا کر کھڑے رہو اور کہو کہ اے مگر
تجھے سید شاہ مرتضیٰ نے بلایا ہے۔ وہ شخص وہاں پہنچا اور آواز
دی۔ جب مگر نے آپ کا نام سنا تو پانی سے باہر آیا اور اسکے
ہمراہ ہو کر آبادی کو عبور کر کے آپ کی قیام گاہ پر آیا اور لڑکے
کو قے کر کے باہر نکالا۔ لڑکا صحیح و سالم باہر نکلا۔ ماں باپ اپنے
بچے کو زندہ پا کر بہت خوش ہو گئے یہ واقعہ دھرنیکور میں مشہور ہے۔

ایک حکایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن میراں صاحب
پسر یونس عنبر خاں دیسائی آپ کو مرید ہونے کے خیال سے اپنے
گھر لایا اور بہت پر تکلف دعوت کی۔ رات کا وقت تھا۔
کافوری شمعیں اور قندیلیں جل رہی تھیں کہ اچانک ہوا کے
جھکڑ چلنے شروع ہوئے اور بارش ہونے لگی۔ چراغ گل
ہو گئے — میراں صاحب از حد کبیدہ خاطر ہوا کہ تاریکی چھا گئی ہے

وہ اسی فکر میں تھا کہ حضرت سید مرتضیٰ نے چراغوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ روشن ہو جاؤ۔ سب چراغ روشن ہو گئے یہ کرامت دیکھکر پیراں صاحب قدموں پر گرا اور سب حاضرین آپ کے مرید ہو گئے

ایک حکایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب آپ اپنے والد کی جگہ سجادگی قادریہ عالیہ پر فائز ہوئے اسی دن سے ریاضت شاقہ کو اپنے لئے لازم کر لیا۔ بیجاپور کے حصار کے باہر ابراہیم پور دروازہ کی طرف ایک ویرانہ میں جھونپڑی ڈال کر چلہ نشین ہو گئے۔ ابھی آپ کا چلہ جاری تھا کہ اورنگ زیب عالمگیر کی فوجیں بیجاپور آئیں اور محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کی میعاد نے طول کھینچا اور قلعہ بیجاپور فتح نہ ہوا۔ ایک دن طوفانی بارش ہوئی فوج کے تمام چراغ اور مشعلیں گل ہو گئیں۔ شہنشاہ نے دیکھا کہ ایک چراغ روشن ہے۔ وہ اپنے سپہ سالار سیادت خاں کو لیے ہوے وہاں پہنچا اور دیکھا کہ ایک جھونپڑی میں ایک نوجوان بیٹھا ہے اور عالم مراقبہ میں ہے۔ چراغ روشن ہے۔ بادشاہ رک گیا لیکن آپ نے باہر کچھ آواز سنی تو متوجہ ہوئے اور پوچھا کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ بادشاہ نے کہا آپ سے دعا کرنے کی درخواست کرنے آیا ہوں کہ قلعہ بیجاپور فتح ہو جائے۔ آپ نے کہا کہ تجھے فتح ہو گی لیکن اس سے تجھے خوشی نہ ہو گی اور دہلی کو صحیح سلامت نہ پہنچے گا۔ یہ پیشن گوئی صحیح ہوئی عالمگیر بادشاہ دولت آباد کے راستے میں یکایک بیمار ہو کر مر گیا۔[1]

---

[1] تاریخی لحاظ سے یہ غلط ہے بیجاپور ۱۰۹۷ھ میں فتح ہوا اور عالمگیر نے ۱۱۱۸ھ میں انتقال کیا۔ مترجم

آپ کا مولد بیجاپور تھا۔ جہاں آپ اپنے والد کی خدمت میں رہتے۔ جب حضرت عارف باللہ سندھنور گئے تو آپ بھی ان کے ہمراہ رہے اور والد کے حکم پر بیجاپور واپس ہوئے اور محمد خلیل الرحمن صدارت پناہ کے داماد ہونے کی بنا پر عرصہ دراز تک یہاں قیام کیا۔ اکثر توکل پر گذر کرتے آپ نے کئی سفر کئے۔ نظام الملک آصف جاہ کی طرف سے آپ کو بیجاپور میں اراضی دی گئی تھی۔ کبھی کبھار سندھنور میں بھی اقامت گزیں ہوتے ۱۱۶۵ھ میں سندھنور میں تھے کہ مزاج ناساز ہوا ۔ ۱۴ محرم کو صاحبزادہ سید عبدالقادر قادری کو ادھونی جانا ضروری تھا۔ انھوں نے کہا کہ آپ کو ایسی حالت میں چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ آپ نے کہا جلد آؤ۔ ابھی میری زندگی کے چھ مہینے باقی ہیں اور یہ قول صادق ہوا۔ جب سید عبدالقادر قادری ادھونی سے سندھنور آئے انھیں وصیت فرمائی اور اپنے چھوٹے لڑکے سید محمود کو ساتھ لیکر ۲ رجب روز دوشنبہ بیجاپور کی طرف راہی ہوئے اور پہلی منزل پر فرمایا کہ آج سے آٹھواں دن میری زندگی کا آخری دن ہے۔ مجھے بیجاپور جلد پہنچائیں۔

دوشنبہ ۱۴ ماہ مذکور کو عصر کے وقت بیجاپور میں اپنے مکان میں داخل ہوئے۔ رات کے آخر حصے میں اپنے فرزند سید محمود اور اپنے برادر زوجہ اور سید جلال الدین بن سید باقر حسنی کو طلب کیا اور فرمایا کہ ایک دن بڑے والد نے مجھے سجادگی کا

نوازا تھا اب میں اپنی سجادگی سید عبدالقادر اور سید محمود کو دیتا ہوں، خدا انھیں دنیا و دین میں قبول کرے گا۔ اس کے بعد آپ نے کہا کہ "میرا منہ بغداد کی طرف پھیریں"۔ انھوں نے آپ کا رُخ پھیرا تو تین دفعہ یا شیخ عبدالقادر الخ کہا اور تین بار کلمہ پڑھا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ سہ شنبہ ۱۵ رجب کو تدفین عمل میں آئی۔ زیارت گاہ مرجع خاص و عام ہے۔

قطعۂ تاریخ

شیخ کاملِ ولی اکرم بود!	رہبر و مقتدائے عالم بود
مرتضیٰ بود اسم او عیانی!	رہبر و مقتدائے عالم بود
محو حق بود او بہ عشق ازل	ذات او از دو کون بے غم بود
چونکہ حکم قضا در و د نمود	وصل او با خدا ہماں دم بود
بردلِ من فرشتۂ غیبی!	گفت تاریخ "قطب الاعظم بود"

۱۱۷۵ھ

دیگر

زہے مقبل اللہ و الاحباب	کہ چوں مرتضیٰ اسم او نتخاب
چو شد انتقالش ز دنیائے دوں	ندا داد ہاتف "برفت آفتاب"[1]

۱۱۷۶ھ

حضرت سید مرتضیٰ قادری کی بیوی امۃ العظیم بنت

[1] "برفت آفتاب" سے مستخرج ہوتے ہیں۔
۱۱۷۶ھ

محمد خلیل الرحمٰن[1] بن مولانا قاضی حسن بن مولانا عیسیٰ احمد آبادی از اولاد خلیفۂ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) امیر المومنین حضرت ابابکر صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک سید عبدالقادر دوسرے سید محی الدین عرف پیر پاشا تیسرے سید محمود۔ ان کا ذکر چھٹی فصل میں آئیگا۔

بی بی امۃ العظیم نے والد سے برکتیں حاصل کی تھیں، اور والدہ بی بی راجے مبارک بنت مولانا قاضی احمد قاضی بندر مبارک سورت برادر حقیقی قاضی حسن احمد آبادی کے آغوش میں تربیت پائی تھی۔ حضرت بی بی راجے مبارک نامدار وقت اور ممتاز زمانہ تھیں۔ آپ احمد آباد گجرات میں پیدا ہوئیں اور وہاں سے بیجاپور آئیں اور یہیں ۵ رجمادی الاول ۱۱۳۶ھ کو انتقال کیا۔ حضرت شاہ قاسم قادری کے روضہ میں اپنے شوہر محمد خلیل الرحمٰن کے پہلو میں مشرقی جانب امۃ السلام[2] کی قبر کے قریب دفن ہوئیں۔

بی بی امۃ العظیم نے شادی کے بعد چند سال ہنسی خوشی سے

[1] خلیل الرحمٰن نے ۱۰ ربیع الاول ۱۱۴۳ھ کو انتقال کیا۔ قطعہ تاریخ وفات خلیل الرحمٰن یہ ہے

از برائے سالِ وصلِ رہنما	فکر من در منزلِ علیا برفت
ہاتفِ غیبی بگفت از صد فسوس	آہ ربّی قطب زیں دنیا برفت

۱۱۴۳ھ

[2] امۃ السلام محمد اکبر صاحب برادر زادہ محمد خلیل الرحمٰن سے منسوب ہوئیں جن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

گذارے۔ سید عبد القادر اور سید محی الدین کی ولادت کے بعد ان کی طبیعت اعتدال سے ہٹ گئی اور پھر جب صحت یاب ہوئیں تو سید خود پیدا ہوئے۔ ان کے پیدا ہونے کے بعد پھر بیمار ہوگئیں۔ کئی علاج کئے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب محمد خلیل الرحمن کے بھائی حضرت شبنی صاحب عرف صاحب وقبلہ اورنگ آباد سے بیجاپور آئے تو آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ انھیں جذب کی حالت ہے کوئی علاج نہ کریں۔ اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ بی بی مذکور اپنے شوہر کے انتقال کے بعد بھی عرصہ دراز تک زندہ رہیں اور روز پنجشنبہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو بوقت ظہر انتقال کیا۔ بیجاپور کے حصار کے باہر اللہ پور دروازہ کی طرف حضرت شاہ مصطفیٰ کے روضے کے پائیں میں

---

(۱) مدح تاریخ وصال محمد خلیل الرحمن

بود پیرے در جہاں بدر منیر ؎ از خلائق بود مرد بے نظیر
گرچہ بود او در زمان آخریں ؎ در محاسن بود مرد اولیں
دل بہ مولا ظاہرش با خلق بود ؎ نور ذاتی در میان دلق بود
غیر ذکر حق نہ گفتی یک سخن ؎ خلوت بود است اور را انجمن
دم بدم از یاد حق غافل نہ بود ؎ گرچہ ظاہر او بہ مردم می نمود
من چہ گویم مرد آں مرد جلیل ؎ ہمچو ابراہیم لیکن محمد خلیل
گر نہ گفتی حاجت خود را بہ کس ؎ اعتمادش را توکل بود و بس

(باقی صفحہ ۹۱ پر)

گچ سے بنے ہوئے چبوترے پر دفن ہیں۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ساٹھ سال سے زائد تھی۔ حضرت سید مرتضیٰ قادری نے بیوی کے مجذوب ہونے کے بعد بی بی عائشہ بنت سید باقر حسینی سے جو مشائخین بیجاپور سے تھیں اور سادات صفویہ سے تعلق رکھتی تھیں عقد کیا۔ بی بی عائشہ بھی بڑی عابدہ اور صالحہ تھیں۔ ان کے بطن سے تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ فاطمہ صاحبہ، جمیل صاحبہ اور رابعہ صاحبہ۔ ان کا ذکر چھٹی فصل میں بیان ہوگا۔ بی بی عائشہ کا مولد و منشا بیجاپور تھا۔ وہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد بہت دن زندہ رہیں اور ۳ محرم ۱۲۸۵ھ کو انتقال کیا اور حضرت شاہ مصطفیٰ قادری کے روضہ میں آپ کے چبوترہ کے بازو مشرق کی جانب تو گز کے فاصلہ پر علیحدہ چبوترہ پر دفن ہیں۔

(صفحہ ۹۰ سے آگے)

ظاہرش ہر کار بود از بہر دیں ؎ باطنش معمور از نور یقیں!
بود جاری فیض او ہر صبح و شام ؎ می نہ بد محروم از وی خاص و عام
بی رضائے حق نہ رفتی یک قدم ؎ زانکہ بود او در حضوری دام ہم
در عبادت کرد عمر خود تمام ؎ از فرائض و ز نوافل والصیام
چونکہ آمد حکم یزدان جلیل ؎ چند باشی دور از مائے خلیل
چند باشی درمیان خارزار ؎ چو بیائی تو بہ نزد گلعذار
چند کردی درمیان خفتگاں ؎ چو بیائی درمیان رستگان
چوں پیام دوست بروے در رسید ؎ خورم و خوش حال سوئے وے رسید

(باقی صفحہ ۹۲ پر)

چھٹی فصل

ذکر سید عبدالقادر و سید محمود وغیرہ فرزندان سید شاہ مرتضیٰ قادری

سید عبدالقادر ابن سید مرتضیٰ شاہ قادری عارف کامل تھے۔ ہمیشہ اذکار و اشغال میں رہتے اور ترغیب و تحریص سے ہٹ کر جناب کبریا کی طرف لو لگائے رہتے اور اپنے اعمال و اقوال کو ہمیشہ میزان کتاب و سنت میں تولا کرتے۔ علم و فضل

(صفحہ ۹۱ سے آگے)

در ربیع الاول از رہ وصول ؎ جاں بجاناں داد و رفت و شد قبول
رفت از من جان جانم الفراق ؎ الفراق و الفراق و الفراق
در بیاباں راہ خود گم کردہ ام ؎ رفت از من رہنمایم الفراق
اے مسافر چند نالی بہر یار ؎ زاد راہ خویش را او چیزے کہ
یاد حق را زاد کن رہ پیش گیر ؎ تا بمنزل در رساند دستگیر
گر کنی تو سال وصلش را شمار ؎ از تو ماند اے مسافر یادگار
سال وصلش بیار روئے یقیں ؎ از خلیل جنتی دانی یقین
۱۰+۲۴۴
ختم بالخیر ست دیگر باز گو ؎ حرف تو بالشبہ ازوی باز شو
تربت بادا منور جاوداں ؎ رحمت حق باد بروئے ہر زماں
ہمت

میں یکتا تھے۔ قرآن مجید کے حافظ تھے اور خوش الحانی سے تلاوت کرتے۔ اپنے والد سے علم حاصل کیا اور ماموں فخر العلماء حضرت محمد اکرم سے دینی اور دنیاوی برکتیں حاصل کیں۔ آپ نے اپنی والدہ کے چچا شیخ احمد اور ان کے فرزند میاں غلام حسن سے ملاقات کی خاطر اورنگ آباد کا سفر کیا اور ان سے برکتیں اور فیض حاصل کیا۔ اپنے عہد کے علما سے بھی ان کے قریبی مراسم تھے۔ خصوصاً عالم عامل میاں محمد صاحب ہکلی (بوجہ لکنت) سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ اہل خاندان سے بھی نہایت شفقت سے پیش آتے۔

ایک بوڑھی عورت راج ماں نامی شمالی ہند کی رہنے والی کپڑے کی تجارت کرتی تھی۔ ان کے والد نے اس سے پندرہ روپے کے کپڑے بطور قرض لئے۔ وہ کبھی سولہ روپے کی ادائی کے لیے تقاضا کرتی غرض یہ کہ قرض ادا نہ ہوا اور والد کا انتقال ہو گیا۔ بڑھیا نے بھی انتقال کیا۔ آپ نے چالیس سال تک قرض کی ادائی کیلئے اس بڑھیا کے ورثا کی تلاش کی لیکن کوئی نہ ملا بیجاپور میں بیت المال بھی نہ تھا کہ اس میں داخل کرتے۔ آخر آپ نے بیس روپے حضرت شاہ قاسم قادری کے مجاور راجے محمد کو جو انتہائی متقی، نمازی اور پرہیزگار تھے دئے اور کہا کہ تو کلام اللہ پڑھ اس کا ثواب اس بڑھیا کو بخش اور دعا کر کہ اے پروردگار اس کلام اللہ کا ثواب بڑھیا کو عطا کر اور قرض کا بوجھ میرے والد سے آسان کر۔

ان کے آداب کی خوبیوں کا ایک واقعہ یہ ہے کہ وہ میوے کی طرف رغبت نہ کرتے تھے۔ خصوصاً آم بالکل نہ کھاتے آموں کے موسم میں ان سے ایک دن میں نے دریافت کیا کہ آپ آم کیوں نہیں کھاتے۔ آپ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ میرے والد نے مرض الموت میں مجھے دو آم لانے کا حکم دیا کہ شاید اس سے طبیعت کو افاقہ ہو میں نے نقصان کے خوف سے منع کیا۔ جب والد کا انتقال ہو گیا تو مجھے اس ممانعت پر بہت افسوس ہوا اور اس دن سے میں نے میوہ کھانا چھوڑ دیا۔

ان کی کرامت کا ایک اور واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ میرا ایک برادر زادہ سید مرتضیٰ ایام رضاعت میں مرض اسہال سے بہت ناتواں ہو گیا اور ایک دن انکی حالت بہت غیر ہو گئی دودھ پینا چھوڑ دیا۔ زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔ ماں اور اہل خاندان بہت غمگین ہوئے۔ آپ بالا خانہ کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے لوگوں نے آپ سے بچہ کی حالت بیان کی۔ آپ نے قبلہ رخ ہو کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور اسی وقت خدا کا فضل شامل حال ہوا۔ بچہ بیدار ہو کر دودھ پینے لگا اور مرض سے نجات پائی کہتے ہیں کہ سنہ ۱۱۷۹ھ میں۔ میں اور میرے بھائی سید محمد قادری لڑکپن میں آپ کی خدمت میں سندھنور میں تھے۔ اس سال مرہٹوں کا ایک کثیر لشکر آیا اور یوسف عنبر خاں بن قادر خاں دیسائی کے موضع سلطان پور کا جو سندھنور سے تین کوس کے فاصلے پر ہے۔ محاصرہ کیا اور توپیں داغنی شروع کیں۔ خان مذکور کے

آپ سے بہت اچھے روابط تھے۔ آپ نے ہم دونوں بھائیوں کو وضو کر کے آنے کے لئے کہا۔ جب ہم تعمیل حکم کر کے پہنچے تو آپ نے اپنے تاج ہمیں پہنائے۔ دو تسبیحیں ہمارے ہاتھوں میں دیں اور حکم دیا کہ خان کے مال و ملک کی سلامتی کی نیت کر کے بغداد کی طرف رخ کر کے یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ پڑھتے رہیں اور کسی سے بات نہ کریں۔ ہم پڑھنے کے لئے بیٹھ گئے۔ دوپہر سے پہلے ہی توپوں کی آواز موقوف ہو گئی۔ آپ نے ہمیں اٹھ جانے کیلئے کہا۔ سندھنور کے لوگوں نے اطلاع دی کہ سلطان پور ہاتھ سے گیا اور دیسائی کا مال و منال سب غارت ہوا۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہوا ہو گا۔ سہ پہر میں موضع مذکور سے اطلاع آئی کہ رئیس لشکر نے صلح کر لی اور آگے بڑھ گیا۔ موضع کا کوئی نقصان نہیں ہوا اور توپوں کی زد سے برج کا کوئی پتھر بھی نہ ہلا۔ آپ کے ایسے بے شمار فضائل کا ذکر منور خاں نے اپنے رسائل میں کیا ہے۔ اس رسالے میں انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے

آپ بیجاپور میں پیدا ہوئے تھے اور قیام بھی اکثر وہیں رہتا تھا۔ چند سال سندھنور میں بھی سکونت پذیر رہے۔ وہاں جب وبا اور قحط سالی ہوتی تو عوام آپ سے امداد کے طالب ہوتے آپ کبھی کبھی شعر بھی کہتے۔ کچھ عرصہ تک سلطنت آصفیہ کی طرف سے یومیہ ملتا رہا۔ جولداسی پرگنہ سندھنور اور سندھنور میں کچھ اراضی صوبہ دار ادھونی کی جانب سے بطور انعام دی گئی تھی۔ آپ کا ذہن رسا تھا اور تیز فہمی میں منفرد و ممتاز تھے۔

عمارتوں کی تعمیر سے بھی دلچسپی تھی چنانچہ سنہ ۱۱۶۱ھ میں بالاخانہ تعمیر کیا جو بیجاپور کے حصار کے اندرونی جانب سی بازار میں حضرت شاہ قاسم قادری کے روضہ سے قریب ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں وہ حویلی تھی جو شاہان عادل شاہی نے ان کے بزرگوں کی نذر کی تھی۔ یہ عمارت اب بیجاپور کی مشہور عمارتوں میں گنی جاتی ہے
۱۱۶۴ھ میں انھوں نے گومرسی میں اپنے دادا حضرت سید شمس الدین قادری کے روضہ کا چبوترہ اور زیارت گاہ تعمیر کرائی۔ اس سلسلے میں سات سو روپے لاگت آئی جس کو انھوں نے گومرسی کے محاصل سے ادا کئے۔
۱۱۷۱ھ میں اپنے دادا سید شاہ مصطفےٰ قادری کے چبوترہ کی تعمیر کی اور شاہ مرتضیٰ قادری کے روضہ کے غربی جانب جو ابراہیم پور دروازہ کے باہر ہے ایک چھوٹی مسجد اور شاہ مصطفےٰ قادری کے چبوترہ کے بائیں میں ایک اور چبوترہ بنا کر ان پر قبریں تیار کیں۔
۱۱۸۲ھ میں اندرون حصار بیجاپور بالا خانہ کے اور دہلیز کے پیچھے سی بازار میں ایک محل کی تعمیر کا آغاز کیا جس پر کثیر صرفہ ہوا۔ یہ ۱۱۸۴ھ میں تیار ہوا۔ یہ عمارت اتنی خوبصورت بنی کہ بیجاپور کی بہترین عمارت سمجھی گئی۔ نقادان فن تعمیر نے اس کو بہ غائر دیکھا لیکن کوئی نقص نہ نکال سکے اور بے ساختہ تعریف کی۔ اسکی تاریخ میرے ماموں زاد بھائی مرتضیٰ صاحب معروف بہ صاحب حضرت نے یوں کہی

بنیاد قصر زیبا!! کرد اُستاد ایں دور
گفتم کہ چیست تاریخ! گفتا "بنائے خوش طور"

۱۱۸۴ھ

حافظ عبدالعظیم عرف ساقر شاہ نے بھی ایک تاریخ کہی ہے

زہے سعید کیفی زہے وحید الدہر ❊ زنور رشد جبینش منور است چو بدر
زہے خجستہ محل وزہے مبارک قصر ❊ کہ وصف سال ہمایوں اوست فرخ قدر

۱۱۸۴ھ

اسی سال ابراہیم پور دروازے کے باہر شاہ مرتضیٰ قادری کے روضہ کا دروازہ تیار کرایا اور گنبد کا چبوترہ بھی اسی سال تعمیر ہوا۔ حضرت سید مصطفےٰ قادری نبیرہ حضرت سید ابی الحسن الثانی نے موضع بنی پرگنہ دیورکنڈہ سے ۱۱۶۵ روپے بھیجے کہ اپنے دادا کی خانقاہ تعمیر کی جائے آپ نے اس عمارت کو نئے سرے سے کشادہ اور عمدہ تعمیر کرایا غرض آپ نے جو کام کیا اس کی کافی تعریف ہوئی۔ آپ خوشحال تھے اور زیادہ وقت معبود حقیقی کی عبادت میں گذرتا تھا ہاتھ میں تسبیح اور زبان پر ذکر جاری رہتا تھا۔ باطنی اشغال میں دنیوی پابندیاں اور ظاہری حالات کبھی روکاوٹ نہ ڈالتے۔ آپ کی وفات سہ شنبہ ۱۷ ربیع الثانی سنہ ۱۲۰۴ھ کو ہوئی اور اپنے والد سید شاہ مرتضیٰ کے مرقد کے مشرقی جانب دفن ہوئے اس وقت اُن کی عمر ۸۰ سال تھی قطعہ تاریخ حسب ذیل ہے۔

عارف ذات حضرت قادر ❊ سر شکل سجد نقش حل بود
بہر دیدار جلوۂ معنی ❊ قلب آئینۂ مصقل بود
بردل او ز شاہد ازلی ❊ ہر زماں سر غیب منجلی بود
ہادی راہ شد ہدایت کرد ❊ سالکاں را چراغ و مشعل بود
ہاتف غیب اندرون و دلم ❊ گفت تاریخ "ذات اکمل بود"

۱۲۰۴ھ

دیگر

واقف رمز قدرت قادر   از جہاں زد چو وقت رحلت کوس
ہاتف از غیب فی البدیہہ گفت   رونق جائے جنت الفردوس

۱۲۰۴ھ

دیگر

از بڑے میاں مرید حضرت

قطب بیجاپور شد واصل بہ رب   از ازل بودند آں کامل بہ قرب
گفت ہاتف سال تاریخش چنین   آفتاب شرقی داخل "بغرب"

۱۲۰۴ھ

دوسرے فرزند سید محی الدین بن سید مرتضیٰ نے پانچ سال گیارہ ماہ کی عمر میں انتقال کیا اور حضرت شاہ قاسم کے روضہ میں چبوترہ جنید خاں پر، سید ابوتراب بن عارف باللہ سید شمس الدین قادری کے دائرہ کے پیچھے دفن ہوئے۔ تیسرے فرزند سید محمود بن سید مرتضیٰ قادری بہت صالح، تواضع پسند اور صابر و حلیم تھے۔ قرآن کی تلاوت اور اوراد و اذکار میں مشغول رہتے والدین کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ حصول علم میں جدوجہد کرتے اور خیرات و مبرات اور اوامر و نواہی کے پابند تھے۔ ہفتہ میں دو تین بار دادا کے روضہ پر جا کر فاتحہ گذرانتے روضہ کے احاطہ پر سینڈ (ناگ پھنی) کی باڑ لگائی اور اندر برگد اور نیم کے درخت اور گلاب و چنبیلی کے پودے لگائے۔ والد کے انتقال کے بعد اپنے بڑے بھائی سید عبدالقادر قادری کے ہر حکم کی بجا آوری کرتے اور وہ جو کچھ بھی کھانے اور پہننے کے لیے دیتے اس پر اکتفا کرتے کبھی اس سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرتے اور ان سے کبھی بے حجابی سے بات نہ کرتے

انھیں ماں باپ کا قائم مقام سمجھتے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ حسن آداب ظاہر حسن آداب باطن کا عنوان ہے۔ انھوں نے اپنے والد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اپنے چچا اور ماموں کی صحبت میں رہ کر فیض پایا تھا۔ ان کے ماموں فخر العلما محمد اکرم تھے۔ آپ نے سیدی عبدالرحیم کی درسگاہ میں بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ کا مولد و منشا بیجاپور ہے۔ کبھی کبھار سندھنور میں بھی قیام رہتا۔ کہتے ہیں کہ جب آصف جاہ بیجاپور آئے تو مولانا محمد خلیل الرحمن صاحب کی ملاقات کے لیے ان کے پرانے و بوسیدہ مکان پر بھی آئے۔ مولانا نے اپنے دونوں نواسوں سید عبدالقادر اور سید محمود قادری کے ساتھ جو صغیر سن تھے ملاقات کی۔ آصف جاہ سے بچوں کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ عارف باللہ سید شمس الدین قادری کے پوتے اور فقیر کے حقیقی نواسے ہیں۔ قرآن حفظ کرتے ہیں۔ نواب نے صاحب تلاوت کی خواہش ظاہر کی تو دونوں صاحبزادوں نے سورہ رحمٰن اور سورہ ہود کی آیات سنائیں جس سے حاضرین مجلس محظوظ ہوئے اور آفریں کی۔ ایک روپیہ یومیہ مدد معاش بیجاپور سے اور چھ آنے یومیہ رائچور سے مقرر کی اور سند لکھ کر حوالے کی۔

قصہ مختصر یہ کہ ۱۱۹۵ھ میں سندھنور میں قیام تھا وہیں ماہ شوال میں مزاج علیل ہوا اور ۲۳ شوال کو ڈولی کی سواری کے ذریعہ جمعہ کے دن بیجاپور پہنچے اور ۲۴ شوال ہفتہ کے دن انتقال کیا۔ شاہ مصطفیٰ قادری کے روضے میں بی بی عائشہ کے چبوترہ پر اپنی بیوی کے قبر کے مشرقی جانب دفن ہوئے انتقال کے وقت سن شریف

ساٹھ سے متجاوز ہو چکا تھا۔

قطعۂ تاریخ

سید محمود بہ اوصاف جمیل — بود ظاہر و بطون باصفا
وقت معمور بیاد کریم — صاحب تسبیح و درود و دعا
واصل حق گشت بحکم ازل — نوش کن جام شراب رضا
ہاتف غیبی بدلم از سنش — داد صلاً "مصدر نور خدا"

۱۱۹۵ھ

ایضاً

شاہ محمود مقبل محمود — چوں بروں گشت از لباس وجود
سال تاریخ رحلتش ہاتف — گفت "بے ریش عاقبت محمود"

۱۱۹۵ھ

ایضاً

بود یک صد ہزار نود و پنج — سال عمرش رسید تا ہشتاد
کان عشرین و اربع الشوال — "روح ویرا گذر بریب افتاد"

۱۱۹۵ھ

سید محمود قادری کا عقد بی بی بادشاہ صاحبہ بنت حضرت سید ہاشم علوی بن شاہ مرتضیٰ علوی ابن شاہ برہان علوی ابن شاہ مرتضیٰ علوی ابن حضرت شاہ ہاشم العلوی الرضوی بیجاپوری شوال ۱۱۲۵ھ میں ہوا۔ حضرت بی بی بادشاہ بھی بہت صالحہ، عابدہ، متقی، پرہیزگار، حلیمہ، کریمہ اور صابرہ تھیں اور اپنے عزیز و اقارب ہمسایوں، خادموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتیں۔ ان کے بطن سے

تین لڑکے سید مرتضیٰ، سید محمد اور سید محی الدین اور تین لڑکیاں راج مبارک ثانی عرف بی بی صاحبہ، امۃ الکریم اور امۃ العظیم عرف صاحبنی صاحبہ پیدا ہوئیں، ان کا ذکر ساتویں فصل میں بیان ہوگا۔ حضرت بی بی مذکورہ کا خاندان نہایت اعلیٰ و اشرف ہے۔ ان کے آبا کرام فقر و درویشی، تقویٰ اور جود و سخا اور نقابت، ولایت اور کرامت میں مقتدائے دہر اور یگانۂ زمانہ رہے ہیں۔ آپ کا مولد و منشا بیجاپور ہے۔ آپ نے اپنی والدہ بی بی ثانی صاحبہ کے دامن عاطفت میں تربیت پائی۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۱۸۸ھ کو اپنے انتقال کیا اور شاہ مصطفیٰ قادری کے روضہ میں اپنی خورشید امین بی بی عائشہ کے چبوترہ پر مدفون ہوئیں۔ ان دونوں قبروں کے درمیان ان کے شوہر سید محمود قادری آسودہ ہیں۔

قطعۂ تاریخ

والدہ ماجدہ عابدہ ساجدہ — بادشاہ صاحبہ دار فنا چوں بہشت
سال وفاتش چو نگہ نمودم خیال — کرد سروشم ندا "مسکن او شد بہشت"

۱۱۸۸ھ

سید مرتضیٰ قادری کی لڑکی فاطمہ صاحبہ عابدہ و صالحہ تھیں اور انھیں اپنے والد سے بیعت تھی۔ ان کا عقد سید اعظم بن سید عبد اللطیف قادری سے ماہ شعبان ۱۱۶۷ھ میں ہوا تھا۔ وہ بیجاپور میں پیدا ہوئی تھیں اور ان کی بود و باش بھی زیادہ تر والد کے گھر میں رہتی تھی اور کبھی کبھار شوہر کے گھر میں قیام کرتی تھیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد بھی عرصہ دراز تک بقید حیات رہیں اور روز پنجشنبہ ۲۸ محرم الحرام ۱۲۰۳ھ

کو انتقال کیا اور حضرت ابوالحسن الثانی کی درگاہ میں خانقاہ قادریہ کے پیچھے سید محی الدین برادر عارف باللہ سید شمس الدین قادری قدس سرہ کے چبوترہ سے متصل سید بدرالدین اور سید اسمٰعیل ابنار سید عبداللطیف کی قبروں کے درمیان مدفون ہوئیں انتقال کے وقت عمر ساٹھ سال سے زائد تھی جمیل صاحبہ بنت سید مرتضیٰ قادری بیجاپور میں پیدا ہوئیں وہ صالحہ اور عفیفہ اور اپنے والد کی مرید تھیں اپنے والد اور بھائی سید عبدالقادر قادری کی اطاعت کرتیں۔ ان کا عقد سید محمد ابن سید جمال عرف میاں صاحب پنج چاوری مشائخ بیجاپور سے ربیع الثانی سنہ ۱۱۸۱ھ میں ہوا انھیں ایک لڑکا سید محی الدین تولد ہو کر صغر سنی میں انتقال کر گیا اور پھر انھیں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ بچے کو روضہ حضرت شیخ سراج الدین جنیدی میں جامع مسجد کی دہلیز سے متصل دفن کیا گیا۔ جمیل صاحبہ بقید حیات ہیں

رابعہ صاحبہ بنت سید شاہ مرتضیٰ قادری بھی صالحہ اور عابدہ اور اپنے والد کی مرید ہیں۔ ان کی شادی شریعت پناہ شیخ ولی محمد بن شریعت پناہ قاضی عمر قاضی بلگاوں سرکار دارالظفر بیجاپور سے رمضان سنہ ۱۱۸۱ھ میں ہوئی۔ ولی محمد بہت پرہیزگار اور قرآن کی زیادہ تلاوت کرنے والے تھے۔ شادی کے بعد عرصہ دراز تک بیجاپور میں رہیں پھر بلگاوں گئیں ان سے ایک لڑکا محمد فیض اللہ اور دو لڑکیاں رابعہ مبارک و جمال صاحبہ عرف بڑی بی بی پیدا ہوئیں۔ رابعہ صاحبہ پیدائش کے چار دن بعد انتقال کر گئیں اور سید ابی الحسن الثانی کے روضہ میں دفن ہوئیں۔ محمد فیض اللہ بیجاپور

میں پیدا ہوئے اور چار سال کی عمر میں بلگاوں میں انتقال کیا جمال صاحبہ بیجاپور میں پیدا ہوئیں ان کی شادی بلگاوں میں محمد حسین بن شیخ محی الدین بن شیخ محمد بن قاضی عمر سے سنہ ۱۱۹۳ھ میں ہوئی ان سے ایک لڑکی سکینہ پیدا ہوئی سنہ ۱۱۹۶ھ میں رابعہ صاحبہ اپنے شوہر اور بیٹی داماد کے ساتھ بیجاپور آ گئیں اور اپنے بھائی سید عبدالقادر قادری کے پاس قیام پذیر ہوئیں سلخ جمادی الاول سنہ ۱۱۹۶ھ کو ان کے داماد محمد حسین کا بیجاپور میں انتقال ہوا اور حضرت شاہ قاسم قادری کے روضہ میں چبوترہ جمید خاں پر حضرت سید ابوتراب بن عارف باللہ کے دائرے کے پیچھے دفن ہوئے۔ ان کی لڑکی سکینہ نے بھی والد کے انتقال کے بعد سلخ جمادی الثانی سنہ الیہ کو رحلت کی اور والد کی قبر کی غربی جانب دفن ہوئیں۔ رجب کے مہینے میں رابعہ صاحبہ اپنی لڑکی کے ساتھ بلگاوں گئیں اور وہاں ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا رابعہ صاحبہ اور ان کی لڑکی بڑی بی بی بقید حیات بلگاوں میں مقیم ہیں

فصل ہفتم

در ذکر اولاد بندگی سید محمود بن سید مرتضیٰ قادری قدس سرہ

سید مرتضیٰ بن سید محمود پیدا ہونے کے بارھویں دن ماہ رمضان کو انتقال کر گئے اور حضرت شاہ ہاشم علوی کے روضہ میں باولی

پر کے مزارات پر دفن ہوئے۔

امۃ الکریم بنت سید محمود قادری نے سولہ سال کی عمر میں سلخ ربیع الثانی ۱۱۸۳ھ کو وفات پائی اور شاہ مصطفیٰ قادری کے روضہ میں اپنے دادا کے چبوترہ کے پائیں میں اپنی دادی بی بی امۃ العظیم کے قدموں میں دفن ہوئیں۔ رابعہ مبارک عرف بی بی صاحبہ بنت سید محمود قادری نے اپنے چچا سید عبدالقادر قادری کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ تلاوت کرتیں اور عابدہ وصالحہ تھیں وہ بیجاپور میں ۲۶ ذیقعدہ ۱۱۷۶ھ کو پیدا ہوئیں اپنی والدہ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی والدہ کے انتقال کے بعد اپنے چچا سید عبدالقادر قادری کے زیر کفالت آگئیں۔ ان کا عقد ان کے خالہ زاد بھائی سید شمس الدین سید محمود بخاری باشندہ مرتضیٰ آباد سے آخر ماہ ذیقعدہ ۱۱۹۴ھ میں ہوا۔ سید شمس الدین مشائخین بیجاپور میں بلند مقام کے حامل اور روضہ سید احمد بخاری کے سجادہ تھے جو حضرت سید جلال الدین بخاری کی اولاد میں تھے۔ مرتضیٰ آباد میں حضرت سید احمد بخاری کی درگاہ مشہور و معروف اور مرجع خلائق ہے۔ شادی کے بعد وہ صرف سات سال زندہ رہیں ان کے بطن سے دو بچے ہوئے۔ ایک لڑکی بی بی ماں نامی مرتضیٰ آباد میں پیدا ہوئی اور اس کا عقد اس کے عم زاد بھائی سید اولیا بن سید علی مقبل سے ماہ رجب ۱۲۰۷ھ میں ہوا اور دوسرا لڑکا مسمی سید محمود بخاری ۱۶ جمادی الاول ۱۲۰۳ھ میں تولد ہوا۔ زچگی کے بعد بی بی مذکورہ کی صحت بگڑی اور وہ دوشنبہ ۲ جمادی الاول

کو ۲۵½ سال کے سن میں انتقال کر گئیں۔ سید احمد بخاری کے روضہ میں تدفین عمل میں آئی۔

امۃ العظیم بنت سید محمود قادری اپنے چچا سید عبدالقادر قادری کی مُرید تھیں اور اپنے خاندان میں کافی اثر و رسوخ رکھنے والی خاتون تھیں۔ عزیز و اقارب، خادموں ضعیفوں اور مسکینوں پر احسان کرنے والی تھیں خط نسخ اچھا لکھتیں۔ اکثر کمرہ میں رہتیں اور بے حجابانہ باہر نہ آتیں اور کسی سے بات بھی نہ کرتیں ان کی پیدائش بیجاپور کی تھی پنجشنبہ سلخ ربیع الثانی ۱۱۸۶ھ کو جب کہ ان کی عمر صرف دو سال تھی ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ چچا سید عبدالقادر قادری نے ان کی پرورش کی اور ان سے بہت محبت تھی جب سید عبدالقادر قادری کا انتقال ہوا تو بی بی مذکورہ نے بہت زیادہ اثر لیا اور مختلف امراض میں مبتلا ہو گئیں۔ امراض نے طول کھینچا اور مرتے دم تک ان کے ساتھ رہے۔ اور جب بے قراری بڑھتی تو حضرت موصوف خواب میں آتے اور کچھ سکون دے جاتے جب وہ خواب سے بیدار ہوتیں تو امراض کا غلبہ ہوتا رفتہ رفتہ ان امراض سے بڑی حد تک نجات ملی۔ پھر جب کبھی بیمار ہوتیں۔ حضرت سید عبدالقادر کی نظر کرم سے شفایاب ہو جاتیں۔ ان کی شادی سید وجیہ الدین ابن سید عبداللہ علوی بن شاہ وجیہ الدین بن شاہ مرتضیٰ بن شاہ برہان بن شاہ مرتضیٰ بن قطب الافراد حضرت شاہ ہاشم حسینی العلوی الرضوی بیجاپوری سے ماہ شعبان ۱۲۰۸ھ میں ہوئی۔ شادی کے بعد

وہ صرف سات ماہ زندہ رہیں اور ۲۴ ربیع الثانی روز سہ شنبہ
سنہ ۱۲۰۹ھ میں انتقال کیا اور شاہ ہاشم علوی کے روضے میں باولی
پر کے مزارات میں اپنی خالہ حضرت حبیبہ صاحبہ کی قبر کی مشرقی
جانب دفن ہوئیں۔ انتقال کے وقت سن ۲۳ سال کا تھا۔

سید محمد بن سید محمود قادری صالح، متواضع، حلیم اور صاحب قلم
تھے خط نسخ و نستعلیق، ثلث و ریحان میں ماہر تھے شعر بھی کہتے اور
صالحوں اور عالموں کی صحبت میں وقت گزارتے۔ انھیں اپنے
چچا سید عبدالقادر قادری سے بیعت تھی۔ اپنے والد سے بھی
انھوں نے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ اپنے ماموں مولوی محمد اکرم کے
سامنے زانوے شاگردی تہہ کیا تھا۔ ان کا مولد و منشا بیجاپور
ہے۔ وہ شب جمعہ ۱۲ رمضان سنہ ۱۱۶۵ھ کو پیدا ہوئے اور ۲۹ سال
کی عمر تک اپنے چچا سے تحصیل علم کرتے رہے سنہ ۱۲۰۰ھ میں ان کی
صحت خراب ہوئی پانچ چھ سال اسی عالم میں گذارے اس کے بعد
خدا نے شفا دی ہے۔ خدا انھیں اپنے فیض کا مظہر بنائے۔

ان کی شادی بی بی عائشہ بنت محمد ابراہیم زبیری ابن مولانا
محمد اسمٰعیل ابن مولانا عبدالقادر ابن مولانا قاضی ابراہیم زبیری ابن
مولانا حضرت ملا محمد زبیری الکبیر بیجاپوری سے رجب سنہ ۱۱۹۶ھ میں
ہوئی۔ بی بی مذکورہ نہایت صالحہ، عابدہ تھیں۔ عزیز و اقارب اور
ہمسایوں سے اچھے تعلقات رکھتی تھیں۔ شوہر کی اطاعت
بھی کرتیں۔ وہ صلاح و تقویٰ اور شرافت و نجابت کا نمونہ
تھیں۔ ان سے ایک لڑکا سید مرتضیٰ ثانی عرف دستگیر پاشاہ

روز پنجشنبہ ۱۹ شوال سنہ ۱۲۰۲ھ کو تولد ہوا۔ خدا اس کی عمر دراز کرے۔

دستگیر بادشاہ کی شادی ربیع الثانی سنہ ۱۲۲۹ھ میں فاطمہ صاحبہ
دختر سید گیسو دراز ولد سید حیدر عرف بڑے صاحب قادری جاگیردار
موضع سالکندہ پرگنہ دیورکندہ سرکار مدگل سے ہوئی۔ سید گیسو دراز
کا تعلق شاہ درویش قادری ساکن کرنول سے ہے۔ ان سے
دو لڑکیاں حسینی بی بی عرف ہچا بیاں اور دوسری عائشہ بی بی
عرف عاشر بیاں ہوئیں۔ فاطمہ صاحبہ زوجہ دستگیر بادشاہ نے
پنجشنبہ ۱۰ صفر سنہ ۱۲۳۹ھ کو سالکندہ میں انتقال کیا نعش کو گومری
لاکر درگاہ عارف باللہ میں دفن کیا گیا۔ بی بی عائشہ نے سہ شنبہ
۹ ربیع الاول سنہ ۱۲۵۹ھ ۲۸ سال کی عمر میں انتقال کیا اور میراں سید شاہ
مصطفےٰ قادری کے روضہ میں اپنی خوشدامن بادشاہ صاحبہ کے
پائیں چبوترہ عائشہ صاحبہ پر دفن ہوئیں۔

مولف رسالہ ہذا عاصی سید محی الدین بن سید محمود قادری کی
ولادت شب جمعہ ۱۷ صفر سنہ ۱۱۷۲ھ کو بیجاپور میں ہوئی اور اپنے
چچا سید عبدالقادر قادری کے زیر نگرانی پرورش پائی علم حاصل کیا
اور انھیں کے ہاتھ پر بیعت کرکے خلافت کی سند لی۔ اپنے والد
سے بھی سند خلافت حاصل کی علوم دینی اور امور دنیوی اپنے ماموں
فخر العلماء مولوی محمد اکرم سے حاصل کئے۔ عقد کلثوم صاحبہ
سے رجب سنہ ۱۱۹۶ھ میں ہوا۔ وہ عائشہ صاحبہ زوجہ سید محمد بن سید محمود
قادری کی حقیقی بہن اور بی بی میراں صاحبہ بنت سید محمد غوث بن
حضرت شاہ وجیہ الدین بن شاہ مرتضیٰ بن شاہ برہان بن شاہ

ہاشم حسینی العلوی کی دختر تھیں۔ کلثوم صاحبہ دوسری شعبان سنہ ۱۱۸۲ھ
پیدا ہوئیں اور پیدائش کے چھٹے دن ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا
ان کی پرورش ان کی نانی صاحبی صاحبہ بنت سید ہاشم بن حضرت
شاہ مرتضیٰ علوی نے کی۔ صاحبی صاحبہ نہایت صالحہ عابدہ عزیز و
اقارب کا خیال رکھنے والی بھائیوں کے ساتھ حسن سلوک سے
پیش آنے والی تھیں۔ انھوں نے یکشنبہ ۲۳ رجب سنہ ۱۲۱۹ھ کو انتقال کیا۔

در ذکر استاذ مؤلف فخر العلماء مولوی محمد اکرم بن محمد خلیل الرحمن

حضرت محمد اکرم بن محمد خلیل الرحمن عالم فروع و اصول تھے
علوم معقول و منقول میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ دانائے اسرار شریعت
اور حامل رموز معرفت تھے۔ علم و نقل میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔
ان کا وقت ہمیشہ تعلیم و تعلم اور درس و تدریس میں گذرتا۔ ان کی
وجہ سے بہت سے جاہل اور گمراہوں نے راہ ہدایت پائی۔ کہتے
ہیں کہ ان کے خاندان میں ایسے ہی صاحب کمال پیدا ہوئے اور
چودہ نسلوں سے ان کا پیشہ تدریس ہی رہا۔ وہ بیجاپور میں پیدا ہوئے
اور وہیں پرورش و تربیت پائی۔ سید عبدالرحیم سے حصول علم کیا
اور اپنے چچا شیخ احمد سے اجازت و خلافت اور معنوی فیوضات
حاصل کئے۔ علماء عصر سے ملاقاتیں ہوتیں خصوصاً سید علی محمد ثانی نبیرہ
قاضی سید علی سے گہرے مراسم تھے اور عبادت و ریاضت اور توسیع
علم میں زندگی گذرتی تھی ۳ رمضان المبارک سنہ ۱۲۰۰ھ کو نود سال
سے زائد عمر میں انتقال کیا اور حضرت شاہ قاسم قادری قدس سرہ

کی درگاہ میں اپنے والد کے چبوترہ پر مدفون ہوئے

قطعۂ تاریخ

چوں ز دنیا محمد اکرم رفت　　گنج علم و فیوض غارت شد
گفت ہاتف ز سال رحلت او　　"صدر والا مکان جنت شد"

۱۲۰۰ھ

دیگر

شیخ برداشت رخت زیں دنیا　　چوں قضا حکم رحلتش بنوشت
داد آواز ہاتف غیبی　　سال تاریخ آں "بیافت بہشت"

۱۲۰۰

خاتمہ

ذکر تواریخ و سنین جلوس و رحلت ہائے سلاطین بیجاپور

آبادی کی ابتداء سے شہر کی ویرانی تک

تاریخ کی کتابیں شاہد ہیں کہ جس شخص نے سب سے پہلے
کرناٹک کے علاقے میں سلطنت قایم کر کے حکومت کی اور بادشاہی
کا دعویٰ کیا۔ فرماں روائی کے لوازم سرانجام دیئے اور امور سیاسی
کے لئے قواعد و ضوابط بنائے وہ یوسف بیگ ساولی تھا۔ وہ سر نوبت

کے سردار کا لڑکا تھا جو شہر بیدر میں پیدا ہوا اور فن کشتی پہلوانی اور شمشیر زنی میں مشہور زمانہ تھا۔ وہ عمدۃ الملک والامراء آقا حسین رومی کا شاگرد اور منظور نظر تھا۔ آقا رومی سلطان محمود بہمنی کے امراء میں سے تھا۔ جس کا دارالسلطنت بیدر تھا۔ ایرانی پہلوانوں میں فن کشتی اور قوت و زور آوری میں اس کا مقام بلند تھا۔ اسکے ساتھ اس کے سات سو شاگرد رہتے۔ وہ ملک اور بیرون ملک کے پہلوانوں کو پچھاڑ دیتا تھا اور ہر جگہ کے سلاطین سے اعزاز و اکرام پاتا۔ جب وہ بیدر پہنچا تو تمام پہلوانوں کو زیر کیا اور محمود شاہ بہمنی نے گوگی اور اس کے مضافات کے پانچ دیہات ۸۹۵ھ میں اس کو انعام میں دیے۔ اس کے بعد محمود شاہ نے یوسف کو ملک الشرق کے خطاب سے نوازا اور اطراف واکناف کے تلنگانہ کے سرکشوں کی سرکوبی کیلئے ۹۰۲ھ میں متعین کیا۔ اس نے شورش فرو کردی اور بادشاہ کے پاس کثیر ہدایا اور تحایف بھیجے۔ بادشاہ نے بھی اس کو شاہانہ انعامات سے نوازا اور کانکرتی کلیان سے منجان کورہ کنجی، کالستری، منگل بیڑہ قدیم پایہ تخت، ۹۰۳ھ میں بطور جاگیر عطا کیے اور اس طرح دن بدن اس نے ترقی کے منازل طے کیے۔ جب سلطان محمود بہمنی نے ۹۱۲ھ میں وفات پائی اور بہمنی سلطنت کو زوال ہوا تو یوسفی حکومت کو عروج ہوا اور رفتہ رفتہ اس نے بادشاہی کا اعلان کیا اور عادل شاہ لقب اختیار کیا۔ اس نے محمد سراج جنیدی احسن آبادی کا روضہ ۹۱۷ھ میں تعمیر کیا۔ اس کی دوسری تعمیر قلعہ ارک بیجاپور ہے جو ۹۱۹ھ میں بنا، یہ موضع بجنبلی میں جو منگل بیڑہ کے تحت تھا۔ تعمیر کیا گیا۔ قلعہ میں نہر لائی گئی

یوسف ہی کے عہد میں یہ قلعہ بیجاپور کے نام سے مشہور ہوا۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں بدیاپور کے نام سے موسوم ہوا اور سلطان محمد عادل شاہ نے اس کو محمد پور کا نام دیا۔ ۹۲۵ھ میں یوسف عادل شاہ نے انتقال کیا اور گوگی میں مدفون ہوا۔ تاریخ "یوسف شاہ جنتی" (۹۲۵ھ) ہے۔

یوسف کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا اسمٰعیل عادل شاہ ۲۳ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس کو شاہی زندگی سے بہرہ ور ہونے کا موقع نہ ملا اور اس نے ۹۳۱ھ میں پانچ سال بعد ہی انتقال کیا اور اپنے والد کی قبر کے بازو دفن ہوا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر صرف تیس سال تھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم عادل شاہ پندرہ سال کی عمر میں گوگی میں تخت نشین ہوا۔ جامع مسجد[1] اس کی یادگار ہے جو اس نے ۹۵۰ھ میں تعمیر کی۔ اس نے پچاس سال کی عمر پاکر ۹۶۵ھ میں انتقال کیا اور اپنے والد اور دادا سے قریب گوگی میں دفن ہوا۔ اس کے بعد اس کے لڑکے علی عادل شاہ نے ۲۴ سال کی عمر میں اسد خاں[2] لاری کے اہتمام سے قلعہ میرج میں تاج شاہی سر پر رکھا۔ بیجاپور آکر تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ ۹۷۲ھ میں قطب الملک اور حسین نظام شاہ کے تعاون سے رام راج والی بیجانگر کو بڑی سخت خونریز لڑائی کے بعد شکست دی اس کا سر[3] کاٹ کر قلعہ بیجاپور

---

1. قدیم جامع مسجد کی تاریخ جو روضہ حضرت جعفر سقاف سے متصل ہے یہ ہے۔
"بنا مسجد سلطان عاقبت محمود" ۹۴۳ھ
2. اسد خاں لاری کا مزار قلعہ بلگام میں مشہور و معروف ہے۔ (مولف)
3. رام راج کا سر حسین نظام شاہ کو ملا اور اس نے احمد نگر بھجوایا۔ (مترجم)

کی بنیاد میں ڈالا اور ۹۷۳ھ میں تکمیل کی۔ اس کی تاریخ "شہر علی پور" ہوتی ہے۔ دوسری تاریخ "سلب تاج الرامراج" اس نے ۴۲ سال کی عمر پائی اور ۲۳ سال حکمرانی کی۔ خواجہ سرا نے اس پر حملہ کرکے زخم پہنچایا جس سے وہ جانبر نہ ہوسکا وہ اندرون فصیل بیجاپور نوباغ میں دفن ہے۔ تاریخ ہے "شاہ جہاں شد شہید"

علی عادل شاہ اول کے انتقال کے بعد اس کا بھتیجا ابراہیم عادل شاہ ثانی کے لقب سے نو سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس کا لقب جگت گرو تھا۔ وہ شاہ طہماسپ شاہ بن ابراہیم عادل شاہ کا لڑکا تھا۔ وہ بہت ہی منصف مزاج اور سخی تھا۔ مختلف فنون کے جاننے والے اہل کمال علماء، صلحاء، اولیا اور مشائخین اس کے عہد میں بیجاپور آئے۔ اس نقل مقام کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ آل تیمور نے احمد آباد گجرات میں جو علماء وفضلا کا مرجع تھا اور کوئی شہر اس کا مد مقابل نہ تھا وہاں اور اس کے اطراف واکناف شورش برپا کردی۔ اہل علم وفن اس کی تاب نہ لاکر بنات النعش کی طرح ادھر ادھر پھیل گئے۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے جو قدر دانی اور جوہر شناسی میں ضرب المثل تھا۔ ان علماء کے نام درخواستیں، خطوط تحفے تحائف اور نذریں بھیج کر بیجاپور آنے کی درخواست کی۔ جب ان بزرگواروں نے یہ طلبی دیکھی تائید ایزدی کو بھی اس بادشاہ خجستہ مآل کے سر پر سایہ فگن پایا تو بیجاپور پہنچ کر اس کو رشک دہلی ولاہور

۱؎ آخر عہد علی عادل شاہ اول میں حضرت سید شاہ قاسم قادری بیجاپور آئے اور قلعہ بیجاپور میں مسجد جید خاں حوالدار میں مقیم ہوئے اور جید خاں کے ظلم وستم سے رعایا کو نجات دلائی۔ (مولف)

بنا دیا۔ بادشاہ نے تمام اہل کمال کو بلند مراتب پر فائز کردیا۔ چنانچہ تاریخ فرشتہ جو اپنی سلاست وفصاحت عبارت میں شہرت رکھتی ہے موجود ہے۔ اسی کے عہد میں تالیف ہوئی۔ میاں ملا ظہوری جس نے بلاغت میں اپنے نام کو طغرے کی طرح آراستہ کیا ہے۔ اسی کے دسترخوان کا ریزہ چین تھا۔ بادشاہ خود بھی ریاضی وعلم موسیقی میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور اس فن میں ایک کتاب نورس بزبان دہریت تالیف کی تھی جو اہل موسیقی اور دیگر اہل فن کا دستور العمل ہے۔ قلعہ نورس بھی اسی کی یادگار ہے جس کی تعمیر ۱۰۱۳ھ میں ہوئی اور ایک عالی شان سات منزلہ عمارت بھی ۱۰۰۹ھ میں تعمیر کی ۱۰۱۲ھ میں زہرہ پور آباد کیا اور ۴۷ سال کی عمر پاکر دس محرم الحرام کو رحلت کی اور اپنی لڑکی زہرہ سلطان کے لئے جو مقبرہ تعمیر کیا تھا اس میں دفن ہوا۔ اس نے ۴۸ سال سلطنت کی۔ ۲؎

نامور باپ کا نامور بیٹا درویش سیرت اور بادشاہ صورت سلطان محمد عادل شاہ سولہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا اور ظلم وستم کی تاریکیاں

۱؎ اس کے جلوس کے پہلے سال سید شاہ ابوالحسن قادری معہ اپنے بھائی سید شاہ مصطفےٰ قادری کے بیدر سے یہاں آئے اور بادشاہ نے ان حضرات کے قیام کیلئے جید خاں کی حویلی پیش کی جو اب گگی محل کہلاتی ہے۔ بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان محمد عادل شاہ نے سید عبدالقادر قادری ابن سید شاہ مصطفیٰ قادری کو تیار کرا کے نذر کی۔ بعضوں کا بیان ہے کہ سید عبدالقادر قادری نبیرہ سید عبدالقادر قادری ابن سید مصطفیٰ قادری نے اس کا کچھ حصہ تعمیر کیا ہے جو گگی محل کہلاتا ہے۔ ۲؎ سلطان ابراہیم عادل شاہ نے حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور دینی ودنیوی برکات حاصل کی ہیں۔

اس کے عدل و انصاف کی روشنی سے چھٹ گئیں۔ اس کے جود و سخا نے حاتم طائی کے نام کو بھی لوگوں کے دلوں سے محو کر دیا اور اس کے عدل نے نوشیروان کے نام کو طاقِ نسیاں میں رکھ دیا۔ اس کے عہد میں سوال اور درخواست کی رسم ہی اٹھ گئی تھی۔ اس کے باپ نے شہر کو آباد کرنے اور رعایا کو خوشحال بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ لیکن دولت و آرام کا وہ حصہ نہ حاصل کر سکا جو محمد عادل شاہ کو حاصل ہوا۔ بیجاپور کی آبادی اندرون و بیرون شہر اسی قدر بڑھی کہ ایک گز زمین ایک مثقال سرخ میں بھی ملنی مشکل تھی۔ یہ سب اس لئے تھا کہ وہ خود اہلِ دل اور صاف نظر تھا اور عارفوں صوفیوں کے مشرب سے پوری طرح سے آگاہ تھا۔ اپنے دور کے اولیا کی خدمت میں بھی وہ حاضری دیتا تھا۔ وہ سید السادات شاہ ہاشم علوی اور سید شاہ ابوالحسن قادری سے فیض پاتا۔ اس نے سنہ ۱۰۴۵ھ میں بادشاہ پور آباد کیا اور آثار شریف جیسی شاندار عمارت تعمیر کی۔ ایک نہر جو بیگم تالاب سے محل آثار مبارک تک لائی گئی ہے اسی کی یادگار ہے۔ اس نے ۴۴ سال کی عمر پائی اور ۳۰ محرم الحرام سنہ ۱۰۶۷ھ کو رحلت کی اور اپنے اس گنبد میں جس کی مثال دنیا کے سیاحوں کی نگاہوں نے کہیں نہیں دیکھی آسودہ ہوا۔ اس کی حکمرانی کا دور ۳۱ سال رہا۔

فخر العلماء محمد اکرم کی زبانی منقول ہے کہ بادشاہ ہمیشہ اولیاء کاملین سے خود ملاقات کرتا اور اپنا مطلب بیان کرتا۔ ایک دن اس نے کہا کہ میں نے آپ حضرات کی خدمت با سعادت میں وقت گذارا ہے اب آپ کے وسیلے سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی زیارت چاہتا ہوں۔ کسی نے حامی نہ بھری مگر حضرت شاہ ہاشم علوی اور ایک اور ولی نے جن کا اسمِ گرامی میرے حافظے میں نہ رہا۔ ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر بالفقیہ یا شاہ عبدالرزاق قادری ہوں، فرمایا کہ ہم دربارِ رسالت میں تمہاری خواہش عرض کریں گے اگر خوش قسمت ہو تو کیا عجب ہے کہ قبولیت کا شرف عطا ہو۔ کہتے ہیں کہ ایک دن دونوں حضرات آثار شریف کے حجرے میں تشریف لے گئے اور صندوق کھول کر بلوریں نلی کو جس میں موئے مبارک تھا باہر لے آئے اور اس کا ڈھکن کھول کر صندوق پر رکھا اور خود کمرے سے باہر ہو کر دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ اور اولیاء کرام وغیرہ طلائی شمع شدہ محل میں جو حجرہ مقدسہ کے مقابل واقع ہے کھڑے رہے۔ بعض خاص خاص امرا اس روشندان کی طرف کھڑے ہو گئے جو محل کے عقب میں واقع ہے اور باقی سب محل میں اور عوام صحن میں حوض کے اطراف کھڑے تسبیح و تہلیل میں مشغول تھے کہ اچانک اندر سے مشک اور عطر کی مہکار اٹھی اور سبھوں کے مشامِ جان کو معطر کر گئی۔ کچھ وقفہ کے بعد ایک شعلہ سا حجرۂ مبارک سے برآمد ہوا اور محل شمع طلائی کو پر نور کر دیا۔ یہ نور روشندان کی طرف بھی گیا اور محل اور اس کا صحن بھی نور سے منور ہوا۔ اس نور سے خیرگی پیدا ہوئی اور بیخودی سی طاری ہو گئی۔ اسی بیخودی کے عالم میں سب سربسجود ہو گئے کچھ عرصہ تک یہ کیفیت رہی پھر بیدار ہوئے تو دیکھا کہ اس خوشبو سے لوگوں کے کپڑے معطر ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ کپڑے تین چار بار دھلے پھر بھی ان کی بو نہ گئی۔ یہ بھی سرکار کا ایک معجزہ ہی ہے۔

مولانا محمد اکرم فرماتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ آثار مبارک کے ایک

اپنے خادم سے سنا جو اس مجلس میں حاضر تھا پھر فرمایا کہ اس موئے مبارک کی صحت نقلاً و کشفاً اور ظاہراً و باطناً جیسی حاصل ہوئی ہے ایسی کسی دوسرے کی نہ ہو سکی۔

در ملفوظ[1] مولانا حبیب اللہ میں تحریر ہے کہ ابراہیم عادل شاہ کے عہد میں حضرت صبغۃ اللہ حسینی قدس سرہٗ نے صندوق کھول کر زیارت کرائی تھی چنانچہ اس کی تفصیل ملفوظ میں تحریر ہے۔ ان زیارتوں کے بعد اب تک کسی نے صندوق کھول کر زیارت نہیں کی ہے۔

---

(۱) مولف ملفوظ مولانا حبیب اللہ کا بیان ہے کہ ابراہیم عادل شاہ نے حضرت صبغۃ اللہ شاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آثار کی زیارت کرائیں۔ جب آپ آثار محل تشریف لائے تو ایک زرین نلی جس میں موئے مبارک موجود تھے آپ کے ہاتھ میں دیئے گئے آپ نے فرمایا کہ نلی کھولیں تاکہ آنکھ سے دیکھ سکوں تو کہا گیا کہ نلی کو نہیں کھولا جاتا۔ پھر آپ نے نلی کو اپنے ہاتھ میں لے کر درود شریف ورد کیا۔ اس وقت تقریباً پچاس شمعیں روشن تھیں اور پچاس آدمی بھی اطراف کھڑے تھے۔ حضرت حبیب اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں بھی وہیں کھڑا تھا۔ اچانک دیکھا کہ نلی میں سوراخ ہو گئے ہیں اور بال نہ بہت موٹے ہیں اور نہ بہت باریک، نہ بہت سیاہ نہ بہت سفید، ایک انگل لمبے اور نلی کے اطراف اس طرح پھیلے ہیں جیسے کہ اگر بتی کے درخت پر اگر بتی لگا دی جائے۔ سوراخ بھی نظر آ رہے تھے۔ ایک گھنٹہ بعد بال رفتہ رفتہ اپنے مقام پر واپس ہو گئے اور سوراخ بھی غائب ہو گئے۔ اس وقت حضرت قبلہ نے مجھے قریب کر کے فرمایا "آثار شریف کو خوب نظر میں رکھو"۔ (مولف)

معتبر حضرات کی زبانی سنا ہے کہ آثار مبارک دو بلوریں نلکیوں میں علیحدہ علیحدہ رکھے ہوئے تھے۔ جب سکندر عادل شاہ اسیر ہو کر عالمگیر کی ملاقات کو گیا تو اس نے دونوں نلکیاں اپنی دستار میں رکھ لی تھیں۔ عالمگیرؒ نے ایک نلکی دارالخلافت دہلی روانہ کر دی اور ایک نلکی آثار محل میں رکھنے کا حکم دیا جو رسالہ ہذا کی تالیف تک اسی طرح رکھی ہے۔ میرے استاد مولانا سید مصطفٰے[1] بروم برادرزادہ سید علوی بروم بن سید عبداللہ بروم فرماتے تھے کہ حیدرآباد میں مولانا امین الدین احمد نے کہا کہ عالمگیر نے بیجاپور سے جو تبرکات حاصل کر کے روانہ کئے انھیں بحین سفر کاٹ کی مسجد میں رکھا گیا۔ ایک دن فقیر (امین الدین) وہاں حاضر تھا اور کئی لوگ بھی تھے۔ ایک بہت بڑی آواز آئی کہ مسجد کی چھت میں شگاف پڑ گیا اور ایک نور کا شعلہ اس سے باہر نکلا جب ہم حیران ہو کر مسجد میں اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ تبرکات کا صندوق وہاں موجود نہیں[2] واللہ اعلم بأسرارہٖ

محمد عادل شاہ کے بعد اس کے لڑکے علی عادل شاہ ثانی نے انیس سال کی عمر میں تخت پر جلوس کیا۔ وہ بڑا رنگین مزاج بادشاہ تھا۔ شعر و شاعری کا دلدادہ اور شاعر پرور تھا۔ اکثر شعر کہتا۔ یہ

---

(۱) سید مصطفٰے بروم نے شب سہ شنبہ کی ابتدائی ساعت میں ۱۷ صفر ۱۳۲۳ھ کو وفات پائی اور روضہ سید جعفر سقاف میں مدفون ہوئے۔ (مولف)

(۲) جب لوگ اطراف و اکناف میں صندوق کی تلاش کیلئے نکلے تو جنگل میں ایک درخت کے پاس صندوق خالی پڑا پایا۔ دیکھ کر واپس ہوئے۔ (مولف)

اشعار آبدار اور مضامین تازہ بہار ہوتے. نکتہ فہموں اور لطیفہ گو لوگوں کو بادشاہ کی محفل میں باریابی حاصل تھی۔ ہندی میں شعر رنگین کہنے والوں نے بھی اِس نکتہ سنج بادشاہ کے اہتمام سے شعر کے مرتبہ کو بہت بلند کر دیا تھا۔ چنانچہ اسی زمرہ سے میاں نصرتی ہے جس نے اپنی طبیعت کی نصرت اور مزاج اور شمشیر زبان موشگاف کی یاوری سے شاعری کی سلطنت فتح کی ہے۔ اس کے رنگین خیالات اور تازہ مضامین کے اشعار زبان زد خاص و عام ہیں۔ اس کے عہد کے شعرا نے اس کو ملک الشعراء تسلیم کر لیا ہے اور کامل سخن سنجوں نے اس کے ہندی اشعار کو فارسی میں خاقانی کے اشعار سے نسبت دی ہے۔ اس دعوی پر اس کی طبع انور کی دو کتابیں گلشن عشق اور علی نامہ شاہد عادل ہیں جس کا انتساب اس نے اپنے بادشاہ سے کیا ہے اور کوئی کتاب اس خوبی اور مضامین تازہ کی وجود میں نہیں آئی ہے.

غرض کہ بادشاہ علی عادشاہ رنگین مزاجی اور موزونیٔ طبع سے متصف تھا۔ اس کی سلطنت کی رونق دستور الممالک خان محمد خانخاناں کے دم تک تھی جب اس نے بادشاہ کے عتاب کی بنا پر جام اجل نوش کیا سلطنت کے نظام میں بھی خلل پیدا ہو گیا۔ اس بادشاہ کے زمانہ ۱۰۷۳ھ میں شہ پیٹ کی بنیاد پڑی اور شنبہ (یوم الاحد) طاس پنجم ۱۳ شعبان ۱۰۸۳ھ کو انتقال کیا اور شہ پیٹ میں اپنے بنائے ہوئے ناتمام مقبرے میں دفن ہوا۔ اس کی حکومت کا زمانہ ۱۲ سال ۷ ماہ اور عمر ۳۵ سال تھی۔ اسی دن طاس ششم

میں اسکے لڑکے سلطان سکندر کو جسکی عمر صرف چار سال تھی اور پانچ سال کا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مملکت مدار محمد خواص خاں ولد خانخاناں نے اس کی کفالت کا اہتمام کیا اور اس کو تخت نشین کیا جب تک مملکت مدار زندہ رہا سکندر کی سلطنت با رونق رہی جب وہ قتل کیا گیا عادل شاہی سلطنت اور سکندر کی حکومت متزلزل ہو گئی چونکہ سکندر ناتجربکار تھا اکثر بد حوصلہ لوگوں کی صحبت میں آتا اور نا مناسب اور ناشائستہ حرکات اس سے سرزد ہوتے۔ امراء اور عمائدین سلطنت اس سے بددل ہوئے اور سلطنت کا نظام درہم برہم ہونے لگا۔ تیموریوں نے جو عرصہ سے تاک لگائے بیٹھے تھے اور جنھیں موقع نہ ملتا تھا اب وقت کو غنیمت سمجھ کر چال چلی۔ انھوں نے ایسے امرار کو اپنا ہم نوا بنا لیا جو بادشاہ سے برگشتہ اور بددل ہو رہے تھے ۱۰۹۷ھ میں بیجاپور مع اپنے مضافات کے بادشاہ عالمگیر کے قبضہ و اقتدار میں چلا گیا۔ سکندر عادل شاہ قید ہوا اور عادل شاہیوں کی سلطنت ختم ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ سکندر شاہ عالمگیر کے لشکر میں مقید تھا ۱۱۱۱ھ میں شاہی لشکر ایک موضع سے گذر رہا تھا جو بیجاپور ہی سے متعلق تھا تو اس موضع کے رہنے والوں نے بندوقوں سے لیس ہو کر راستہ روکا اور کہا کہ جبتک ہمارا بادشاہ سلامت ہے ہم اس کے ہیں۔ پس عالمگیر نے ایک زہر آلود خربوزہ سکندر عادل شاہ کو بھیجا اس نے کھا لیا اور کھا کر جان جان آفریں کے سپرد کی۔ اس کا جنازہ اس کی وصیت کے مطابق بیجاپور کو بھیجا گیا اور اندرون حصار بیجاپور میں حضرت شیخ نصیر الدین سفیر اللہ خلف

شیخ فرید الدین مسعود اجودھنی گنج شکر میں اپنے مرشد شاہ نعیم اللہ خلیفہ حضرت شاہ ہاشم علوی کے پائیں میں دفن کیا گیا۔ اس کی تاریخ پر یہ رباعی کہی گئی ہے۔[1]

رباعی

زد نیا چوں سکندر کرد رحلت	غریو از سینۂ عزت برآمد
معاطور گفتم سال تاریخ	سکندر زیں کہن ظلمت برآمد[2]

۳۲۴ - ۱۴۳۵
۱۱۱۱ھ

جس دن سے بیجاپور کی حکومت چغتائیوں[3] کے قبضہ میں آئی ان کا قدم چغد و بوم کے اثر سے زیادہ منحوس ثابت ہوا۔ اسی سال سے شہر کی تباہی اور بربادی شروع ہوئی۔ مغل تابعین ہوئے اور تا حال کہ ۱۱۱۱ھ سے متجاوز ہے۔ ویرانی نے پیچھا نہیں چھوڑا ہے۔ بلکہ زیادتی پر ہے کہتے ہیں کہ تسخیر مغل سے پہلے اندرون و بیرون حصار کی جملہ آبادی نو لاکھ اور خانہ شماری ۸۴ ہزار تھی اور بعض کہتے ہیں نو لاکھ تھے شاہ پور میں اور سات لاکھ شہر پناہ اور

۱؎ کتاب میں رباعی ہی لکھا ہے۔ غالباً مولف رباعی اور قطعہ کے فرق سے واقف نہیں ہے مترجم ۲؎ کہن ظلمت کے اعداد ۱۴۳۵ ہیں اس میں سے سکندر کے اعداد ۳۲۴ خارج کریں تو ۱۱۱۱ھ ہوتے ہیں۔ مترجم۔ ۳؎ چغتائی خاں چنگیز خاں کا دوسرا لڑکا تھا جو باپ کے حکم سے ماوراء النہر ترکستان، بلخ اور بدخشاں کو اپنے قبضہ میں کئے ہوئے تھا بادشاہ امور سے واقف تھا اور اپنے تمام بھائیوں میں سب سے ممتاز تھا اور قراچار نویاں جو امیر تیمور گورگاں کا پانچویں پشت میں دادا ہوتا ہے۔ (مولف)

دوسرے محلوں میں مخفی واللہ اعلم

میں نے مولوی محمد اکرم سے سنا ہے کہ اسی سال شہر میں طاعون کی وبا پھیلی اور اس کا سلسلہ تین سال تک چلتا رہا۔ ابتداً اموات کا یہ حال تھا کہ لوگ تجہیز و تکفین سے عاجز آگئے تھے اور مردوں کو گھر دنوں سے کھینچ کر حصار سے باہر لے جاتے۔ چنانچہ ایک روز اعلیٰ پور دروازہ کے پہرہ داروں نے شمار کیا تو سات سو اموات ہوئیں۔ علیٰ ہذا القیاس اسی طرح تمام شہر میں یہ حال تھا کہ بعض گھروں میں لوگ رات میں منہ پر چادر ڈال کر سوتے اور ان میں اکثر صبح تک انتقال کر جاتے کوئی آنکھ بھی نہ کھولنے پاتا۔ دروازے اسی طرح بند رہتے۔ کہتے ہیں کہ عالمگیر کی بیوی نے جس کا مقبرہ نوباغ میں مقبرہ بیگم کے نام سے مشہور ہے اسی وبا میں وفات پائی۔ اور جنازہ خواص خاص کے گھر سے مقبرہ تک لے جانے میں سولہ آدمی تیر اجل کا نشانہ بن کر گرے۔ غرض اس بلا میں اکثروں نے جان دی اور بعضوں نے نقل مقام کر دیا اور بعضوں نے ہر مصیبت کو جھیل لیا اب جو قبرستان شہر میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں وہ اسی وبا کے سبب سے ہیں۔[1]

اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اس کا جو بھی شور و غل

۱؎ اس وبا کی تاریخ برد وبا از مغل سے ۱۰۹۹ھ مستخرج ہوتی ہے (مولف)

آیا اس نے ظلم و تعدی کو روا رکھا اور ویرانہ کو ویرانہ تر بنا دیا ۱۱۳۹ھ میں قحط پڑا اور اس نے بھی ہزاروں جانیں لیں۔ آبادی کو پریشان کر دیا اور ویرانی میں اضافہ ہوا۔ اس طرح تو بر تو آسمانی آفات نازل ہوتی رہیں پھر اہل اسلام کے ہاتھوں سے نکل کر بیجاپور نہ نادرداروں کا محکوم ہو گیا اور اس کی فلاکت و ہلاکت میں اور اضافہ ہوا۔ اس کے بعد پھر ایسے مصائب کا سامنا کرنا پڑا کہ جن سے نہ قلم میں لکھنے کی طاقت ہے اور نہ زبان میں بیان کرنے کا یارا۔ قحط اس قدر سخت تھا کہ شاعر کو یہ کہنا پڑا ۔

قحط عزیز مصر ہماں ہفت سالہ بود　　　قحط عظیم ماست کہ بہ نہ سال سر کشید

غرض ہر طرف بھوک اور پیاس کی پکار سنائی دیتی تھی آج بھی جب یہ واقعات یاد آتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خدا ایسے دن دشمن کو بھی نہ دکھائے اگرچہ قحط کی سختیاں اس صدی کی ابتدا سے شروع ہو گئی تھیں لیکن پانچویں، چھٹے، ساتویں یہ تین سال کے شدائد کا بیان بہت مشکل ہے۔ ان تین سالوں میں آسمان نے انسانوں سے بے مہری برتی کہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ برسا اور زمین نے ایک دانہ بھی نہ اگایا۔ جو اور گیہوں کا ایک ایک دانہ موتی اور الماس کے مماثل ہو گیا۔ چیتوں (املی کے بیجوں) کی قیمت کھجور سے زیادہ بڑھ گئی۔ دانہ دار چیزوں میں کوئی ایسی چیز باقی نہ رہی جو انسان کی غذا نہ بنی ہو۔ اس سے بھی زیادہ مناظر دیکھنے میں آئے کہ حیوان ناطق کا حیوان مطلق پر گمان ہونے لگا۔ کہ ہر نا خوردنی شے ان کی غذا بنتی گئی۔ چمڑا اور ہڈیاں تک استعمال میں آتی گئیں۔ تلخی و ترشی اور لذت کام و دہن کا سوال باقی نہیں رہا۔ اس کا نتیجہ خرابی صحت کی صورت میں ظاہر ہوا

اور مختلف امراض پیدا ہونے لگے۔ فیل پائی اور ورم کا مرض عام ہو گیا۔ خدا نے جس پر مہربانی کی وہ بچ گیا۔ عوام لاغری اور بے قوتی سے ایسے بے رونق اور بد شکل ہو گئے تھے کہ ان پر مردۂ صد سالہ کا گمان ہوتا تھا۔ یہ محسوس ہوتا تھا کہ ان کی روح بہت جلد قفس عنصری چھوڑ دے گی۔ مردم خواری کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اگر کہیں کسی ویرانے میں کوئی انسانی لاش پڑی نظر آتی تو عوام اس کو قربانی کے ذبیحہ سے زیادہ حلال سمجھتے اور ساز و سامان سے تیار ہو کر اس پر ٹوٹ پڑتے بلکہ اگر زندہ انسان کو کسی گوشہ میں پناہ لیا ہوا پاتے تو پتھروں اور چھریوں سے اس کا کام تمام کرتے اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے بھون کر کھا جاتے۔ ان حالات میں قیاس کیا جا سکتا ہے۔ رحم و مروت اور مہربانی کا کوئی سوال نہ تھا یہ عینی مشاہدہ ہے اگر کسی بچہ کو ایک لقمہ ملتا تو ماں اس کے منہ سے چھین کر خود کھا جاتی اور بچے کے بھوک سے مرنے کا اس کو غم نہ ہوتا اور اگر مرد کو مٹھی بھر اناج ملتا تو وہ بیوی بچوں کو بلکتا چھوڑ کر کھا جاتا اور اس کو ان کے بھوک سے مر جانے کی کوئی پروا نہ ہوتی۔ غرض کہ ان دنوں درندوں کتوں اور چیل کوؤں کی بن آئی تھی ان کے لئے ہر روز روز عید تھا کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں موت نے اپنا رقص نہ کیا ہو اور کوئی خانہ اور درہ نہ تھا جہاں لاشیں نہ ڈالی گئی ہوں۔ ان کا شمار عالم الغیب ہی صحیح جانتا ہے۔ یا تو یہ حال تھا کہ جوار جو یہاں کا ارزاں ترین غلہ ہے۔ دو تا تین من فی روپیہ فروخت ہوتا اور قحط کے

پانچویں سال اس کا نرخ بڑھتے بڑھتے بارہ سیرفی روپیہ ہوگیا تھا۔ اطراف و اکناف میں بعض جگہ دو تین سیر تک پہنچ گیا تھا لیکن چھٹے سال یہاں شہر میں چار سیر سے کم اور چھ سیر سے زیادہ فروخت نہ ہوا۔ ساتویں سال میں کم و بیش پانچ چھ سیر رہا اور کسی وقت بھی گذشتہ چھ سالوں میں چھ سات پائلی سے زیادہ مقدار دستیاب نہ ہوسکی۔ پائلی چار سیر شاہی کے مساوی ہے۔ جب جوار جیسے ارزاں اور ادنیٰ قسم کے غلہ کا یہ حال ہو تو گیہوں، چاول، زیتون، تیل، گھاس، جلانے کی لکڑی اور دوسرے تمام اجناس کا کیا حال ہوگا۔

آخری سال میں اچانک کروڑوں کا ایک سیلاب آگیا اور لوگوں میں ہراسانی پیدا ہوگئی کہ اس بلا سے کیسے رہائی مل سکے گی۔ لیکن یہ آفت قیامت نشان بہت جلد ٹل گئی۔ غرض کہ یہ بھرا پرا اور آباد شہر جو دور دور تک شہرت رکھتا تھا ایک ویرانہ بن گیا۔ ویرانوں سے زیادہ ویران اور خرابوں سے زیادہ خراب بڑے بڑے محل کھنڈر بن گئے اور ہوام و حشرات اور چغد و بوم نے ان میں بسیرا لیا۔ بعض محلوں میں تو ایک ایک دو دو گھر آباد رہے جیسے رخساروں پہ خال یا آنکھوں میں پتلی۔ تمام ہنرمند جن سے شہر آباد تھا یا تو عدم کو سدھارے یا ان میں سے چند نے ہجرت اختیار کی۔ اب یہ شہر بھی وحوش و طیور کا ملجا و ماویٰ بنا ہوا ہے۔ اور ان کا رئیس بوم شوم ہے کہ ہر رات بلند میناروں پر بیٹھ کر ہو حق کا ذکر کرتا ہے اور اس کا بھائی چغد شب بیداری کو اپنا

شعار بنائے ہوئے ہے۔ فاختہ وحدت کے گیت سناتی ہے اور حق سرہٗ کا راگ الاپتی ہے۔ محلوں میں مکینوں کی جگہ اب انھیں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ بھیڑیے ہر گلی کوچے میں گشت کرتے اور صدائیں لگاتے ہیں۔ گدھے بھی اپنی مکروہ آواز سناتے ہیں اور انسانوں کا مغز کان کی راہ سے نکال دینے کی کوشش کرتے ہیں غرض کہ ایسے بہائم جو جنگلوں سے کبھی آبادیوں کی طرف نہیں آئے اب آبادیوں میں ان کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ آج یہ حال ہے پتہ نہیں کل کیا ہوگا۔

شائقین طالب اور ارباب صفا کے اخلاق و اوصاف کریمانہ اور ان خوارق عادات کے ذکر پر رسالہ اختتام کو پہنچا۔

نظم

بتائیدات فضل رب عالم — تمامی گشت مجموع مقالم
بخواہش ترتیب مجموعۂ رسالہ — نوشتم من بحق دادم حوالہ
حصولم گردد امیدم من اللہ — کہ یکبارہ شود مقبول درگاہ

فرو رفتم بدل در فکر تاریخ
بجستم یافتم در لفظ تاریخ

۱۲۱۱ھ

مولف رسالہ کو کلثوم صاحبہ کے بطن سے ایک لڑکا[1] سید عبدالقادر

---

[1] سید عبدالقادر کا عقد بی بی صاحبہ بنت سید محمود بخاری عرف صاحب پیراں ولد بی بی صاحبہ بنت وکیل صاحبہ بنت شاہ عبداللہ حسینی علوی ولد شاہ وجیہ الدین خلف خواجہ مرتضیٰ علوی کا خیر مخفی که مولف رسالہ سے ربیع الثانی ۱۲۳۵ھ میں ہوا۔

عرف قادر پاشاہ دوشنبہ ۸ر جمادی الاول ۱۲۱۵ھ کو پیدا ہوا۔ خدا اُسے اپنی امان میں رکھے۔ دوسرا لڑکا شنبہ ۲۵ر صفر ۱۲۱۷ھ کو پیدا ہوا۔ جس کا نام شمس الدین تھا۔ اس نے صرف بیس دن کی زندگی پائی اور پنجشنبہ ۱۴ر ربیع الاول کو وفات پائی اس کو حضرت شاہ ہاشم علوی کے روضہ میں باولی پر کے قبرستان میں اس کی دادی بی بی پیراں صاحبہ کے پائیں چبوترہ نیرت کے گوشہ کی طرف دفن کیا گیا۔ تیسرا لڑکا سید محمود چہارشنبہ ۱۲ر رجب ۱۲۱۹ھ کو پیدا ہوا۔ خدا اس کو اپنی حمایت و حفاظت میں رکھے۔

سید عبدالقادر عرف قادر پاشاہ کا عقد ۲۶ر ربیع الثانی ۱۲۲۵ھ کو ہوا جو سید محمود بخاری عرف صاحب پیراں ولد سید شمس الدین نبیرہ حضرت سید احمد بخاری کی لڑکی تھیں۔ سید احمد بخاری کا مزار مرتضیٰ آباد میرج میں واقع ہے۔ ان سے چہارشنبہ ۴ر ذیقعدہ ۱۲۳۶ھ کو ایک لڑکی زہرہ صاحبہ پیدا ہوئی جس نے شب جمعہ ۲۷ر شعبان ۱۲۳۷ھ کو موضع کنواڑ جاگیر صاحب پیراں میں جہاں اس کی ولادت ہوئی تھی وفات پائی اور مقبرہ جہانیاں میں دفن ہوئی۔ پنجشنبہ ۲۶ر رمضان ۱۲۴۱ھ کو ایک لڑکا تولد ہوا جس کا نام سید اسداللہ رکھا اور سہ شنبہ ۱۸ر ربیع الثانی ۱۲۴۴ھ کو ایک لڑکی بادشہ صاحبہ پیدا ہوئی۔

سید محمود کا عقد صاحبنی[1] صاحبہ بنت مرتضیٰ[2] صاحب عرف صاحب

۱؎ صاحبنی صاحبہ بنت فاطمہ صاحبہ بنت شاہ عبداللہ علوی الحسینی ابن شاہ وجیہ الدین ابن شاہ مرتضیٰ علوی۔

۲؎ مرتضیٰ صاحب (حقیقی ماموں) ابن پیراں صاحبہ بنت شاہ محمد غوث ابن شاہ وجیہ الدین ابن شاہ مرتضیٰ علوی۔

حضرت خلف محمد ابراہیم نبیرہ حضرت قاضی ابراہیم زبیری سے بوقت عصر روز شنبہ ۱۶ر شوال ۱۲۲۷ھ کو ہو۔ صاحبنی صاحبہ کو سہ شنبہ ۳ر صفر ۱۲۴۵ھ کو اسقاط حمل ہوا اور اسی صدمہ سے وہ یکشنبہ ۸ر صفر ۱۲۴۵ھ کو اکیس سال کی عمر میں انتقال کر گئیں اور مقبرہ شاہ ابوالحسن قادری میں اپنی چچی عائشہ صاحبہ کی قبر سے مغربی جانب دفن ہوئیں۔

سید مرتضیٰ عرف دستگیر پاشاہ کا عقد فاطمہ صاحبہ دختر سید گیسو دراز ولد سید حیدر عرف بڑے صاحب قادری جاگیر دار موضع سالکندہ پرگنہ دیورکنڈہ سرکار مدگل سے ربیع الثانی ۱۲۲۹ھ میں ہوا۔ بڑے صاحب قادری کے والد سید محمد حضرت شاہ درویش قادری کرنولی کی اولاد میں تھے ان کا مزار کرنول میں مرجع خلائق ہے اور انھیں شنبہ ۲ر رمضان ۱۲۳۲ھ کو لڑکی تولد ہوئی جس کا نام حسین بی رکھا گیا۔ دوسری لڑکی عائشہ بی شنبہ ۱۰ر رمضان ۱۲۳۴ھ کو پیدا ہوئی۔ سہ شنبہ غرہ صفر ۱۲۳۶ھ کو لڑکا تولد ہوا جس کا نام سید حسن رکھا گیا اور ۱۰ر صفر پنجشنبہ کو فاطمہ صاحبہ نے انتقال کیا نعش سالکندہ سے گرمی لا کر حضرت سید شمس الدین کے پائیں میں دفن کی گئی۔ ۲۰ر صفر کو لڑکے کا بھی انتقال ہو گیا جس کو ماں کی قبر کے بازو دفن کیا گیا۔ فاطمہ صاحبہ نے ۲۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

ذکر سید محمد بن سید محمود بن سید شاہ مرتضیٰ قادری قدس سرہٗ

سید محمد سید محمود کے بڑے لڑکے تھے۔ اپنے دور کے مشائخوں

ہیں ان کا بلند مقام تھا ان کے اوقات و اشغال بہت اچھے تھے ان سے خوارق عادات بھی ظاہر ہوئے ہیں۔ غیب کی باتوں کا علم رکھتے۔ اس کے کئی واقعات مشہور ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک ہی وقت میں آپ کو متعدد لوگوں نے کئی مقامات پر دیکھا اور جب آپ کے کمرہ پر آکر دیکھا تو آپ کو اندر سے دروازہ بند کئے عبادت میں مصروف پایا۔ ایسی کئی باتیں ہیں۔ طوالت کے خوف سے انھیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ناری مخلوق اجنہ و شیاطین آپ کے تابع اور خدمت گذار تھے اور ان کی آمد و رفت رہتی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اجنہ تھاروں کے ساتھ آپ کی خدمت میں آکر مجلس رقص و سرود منعقد کی۔ آپ دیکھتے اور تعریف کرتے۔ باہر سے لوگ گانے بجانے کی آواز سنتے اور جب کمرہ میں پہنچتے تو وہاں سوائے آپ کے کچھ نہ پاتے۔ آپ عملیات کے بڑے عامل تھے۔ یہ مشہور ہے کہ علاج سے مایوس آسیب زدہ کوئی مریض آپ کے پاس آتا تو آپ کی نظر اس پر پڑتے ہی اثر زائل ہو جاتا اور پھر کبھی مریض اس مرض میں مبتلا نہ ہوتا۔ آپ دوسرے عاملوں کی طرح تعویذ فلیتے نہ کرتے۔ بیجاپور میں آپ کی خصوصیات رکھنے والا کوئی اور شخص موجود نہ تھا۔ صحیفۃ الہدیٰ کے مصنف کا کہنا ہے کہ وہ بہت ہی متواضع حلیم، صالح اور بلند ہمت تھے۔ خط نسخ، نستعلیق، ثلث، ریحان اور گلزار لکھتے اور شعر موزوں کرتے۔ علم نافع اور عمل صالح کیلئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ آپ نے اپنے چچا سید عبدالقادر قادری کے ہاتھ پر بیعت کی

تربیت اور پرورش بھی انھیں کی نگرانی میں ہوئی۔ آپ نے اپنے والد سید محمود قادری سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ اپنے ماموں محمد اکرم کی شاگردی بھی کی۔ وہ ان پر بہت مہربان تھے۔ آپ کی پیدائش شب جمعہ ۱۲ رمضان سنہ ۱۱۶۹ھ کو ہوئی اور دو سال کی عمر ہونے تک آپ اپنے چچا سید عبدالقادر قادری کی نگرانی میں رہے۔ سنہ ۱۲۰۰ھ سے مزاج میں تبدیلی آئی اور سودا کا غلبہ ہوا اور پانچ چھ سال تک اسی سرگشتگی کے عالم میں رہے پھر کچھ صحت ہوئی۔ آپ اپنے بھانجے سید محمود بخاری عرف پیراں صاحب جاگیردار کے پاس کنواڈ تعلقہ مرتضیٰ آباد گئے اور وہیں اقامت اختیار کی۔ آپ وہاں مقبول انام اور ہر دلعزیز ہوئے لوگ ان کے مطیع و منقاد ہوئے اور نواح میں ایک رونق پیدا ہو گئی۔ چہارشنبہ ۱۲ محرم الحرام سنہ ۱۲۴۳ھ کو موضع کنواڈ ہی میں ستر سال کے سن میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور مخدوم سید بخاری کے روضہ میں مرتضیٰ آباد دہبرج ہی میں دفن ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات عَلَیْہِ الرِّضْوَانْ ہے۔

۱۲۴۳ھ

آپ کے ایک فرزند سید مرتضیٰ قادری عرف دستگیر بادشاہ تھے جو بہت عالم، عارف اور مقدس ہستی تھے۔ آپ کی سکونت گرمرسی میں تھی وہیں یکم ربیع الاول سنہ ۱۲۶۶ھ کو انتقال ہوا۔ اور روضہ حضرت شمس الدین صاحب میں پائیں چبوترہ پر دفن ہوئے۔ تاریخ وفات "ذاتِ اقدس" ہے۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۲۰۶ھ میں

۱۲۶۶ھ

بیجاپور میں ہوئی تھی

ذکر سید محی الدین ابن سید محمود قادری ابن شاہ مرتضیٰ قادری

سید محی الدین قادری سید محمود قادری کے دوسرے لڑکے اور سید محمد قادری کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ بھی عارف کامل اور صاحب دل تھے۔ علوم شریعت و طریقت سے کما حقہٗ واقف تھے۔ آپ نے اپنے چچا سید عبد القادر قادری سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ والد سے بھی بیعت و اجازت حاصل تھی۔ ہمیشہ آپ ذکر و شغل میں وقت گذارتے اور اپنے اجداد کی راہ پر چلتے۔ اپنے والد اور چچا کے انتقال کے بعد مسند سجادگی پر بیٹھے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ علوم دینی و دنیوی کی تحصیل اپنے والد و ماموں مولانا محمد اکرم سے کی۔ بعض مشکل مقامات کے حل کے لئے آپ مولانا سید مصطفیٰ بروم ...ھ کی خدمت میں بھی حاضری دیتے رہے۔ آپ تالیفات و تصنیفات بھی کرتے رہتے تھے۔ آپ کی تصنیفات علم تواریخ و سیر، تذکرہ، انساب، حالات و تحقیقات بزرگان میں قریب ۳۰ عدد چھوٹے اور بڑے رسائل ہیں جو آپ نے تالیف فرمائے ہیں۔ معاصرین میں بہت کم لوگ آپ کے مرتبے کے تھے۔ علم تصوف و عرفان میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ اپنے شہر کے معتبر فضلا و علماء میں بلند مقام کے حامل تھے۔ آپ نے بیجاپور ہی میں سکونت رکھی۔ آپ کی ولادت شب جمعہ ۷ر صفر ۱۲۶۷ھ

کو ہوئی اور ۲۹ر جمادی الاول ۱۳۴۷ھ کو آپ نے ۸۰ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا اور شاہ مصطفےٰ قادری کے روضہ میں اپنے والد سید محمود قادری کے چبوترہ پر گنج نیرت کی طرف دفن ہوئے۔

آپ کے دو لڑکے ہیں ایک سید عبد القادر قادری عرف قادر پاشاہ دوسرے سید محمود قادری۔ سید عبد القادر قادری عرف قادر پاشاہ راقم الاوراق غلام سید عبد الرزاق جیلانی کے والد ہیں۔ انھوں نے اپنے والد سے اجازت و خلافت حاصل کی ہے۔ اپنے چچا سید محمد قادری کی خدمت میں رہ کر بھی فیض پایا ہے۔ اپنے ماموں غلام مرتضیٰ زبیری کی درسگاہ سے بھی اکتساب علم کیا ہے۔ آپ ایک مغتنم ہستی ہیں کہ بیجاپور میں ان کا جواب نہیں۔ ان کی ولادت ۱۳۱۵ھ میں بیجاپور میں ہوئی اور اس وقت ان کی عمر ۷۹ سال ہے۔ خدا ان کے سایہ کو ہمارے سروں پر قایم رکھے۔

سید محمود قادری ثانی بن سید محی الدین قادری میرے والد سید عبد القادر قادری کے چھوٹے بھائی ہیں علم و فضل میں بلند مقام رکھتے ہیں اور والد کے خلیفہ ہیں اپنے چچا سید محمد قادری سے بھی فیض پایا ہے اور اپنے ماموں مولانا غلام مرتضیٰ زبیری سے بھی علم حاصل کیا ہے۔ ان کے بعد ان کے لڑکے محمد ابراہیم زبیری عرف صاحب بادشاہ صاحب مصنف روضۃ الاولیاء بیجاپور کے آگے بھی زانوے ادب تہ کیا ہے۔ بیجاپور کے نامور مشائخوں میں اچھی شہرت کے حامل رہے ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۳۱۹ھ میں اور وفات آخری چہار شنبہ ۲۹ر صفر ۱۳۸۱ھ کو بیجاپور میں ہوئی۔ آپ شاہ مصطفےٰ قادری کی درگاہ میں اپنے دادا سید شاہ محمود قادری کبیر کے چبوترہ پر دفن

ہوئے انتقال ساٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ "راز محمود عاقبت محمود شد" ۱۲۸۱ھ سے تاریخ برآمد ہوتی ہے۔

ترقیمہ

۲۰ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ کو سید عبدالرزاق جیلانی قادری ابن سید عبدالقادر قادری ابن سید محی الدین قادری ابن سید محمود قادری ابن حضرت شاہ مرتضیٰ قادری ابن سید شمس الدین قادری گومرسی ابن حضرت سید عبدالقادر قادری ابن حضرت میراں سید شاہ مصطفےٰ قادری برادر حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری سید شاہ قاسم قادری نے لکھا۔

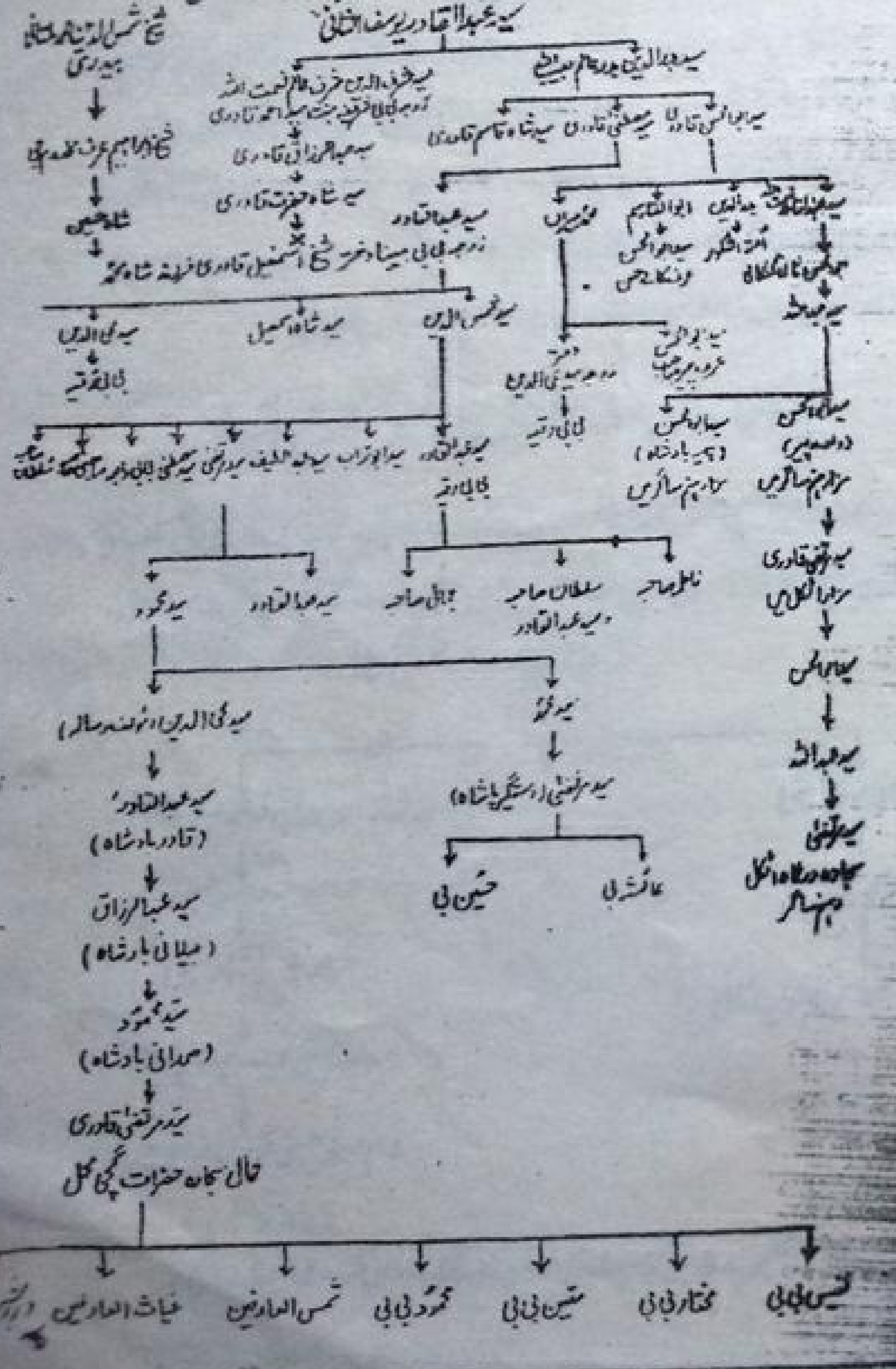
سید عبدالقادر قادری عرف قادر بادشاہ قادری کا انتقال گومرسی تعلقہ سندھنور ضلع رائچور میں ۱۰ ماہ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ کو ہوا اور درگاہ حضرت شمس الدین صاحب میں شرقی جانب احاطہ درگاہ سے متصل دفن ہوئے۔ سید عبدالرزاق جیلانی (صاحب رسالہ) کی وفات ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ کو گومرسی میں واقع ہوئی اور حضرت سید شمس الدین صاحب کی درگاہ میں متصل مرقد سید مرتضیٰ قادری عرف دستگیر پاشاہ دفن ہوئے۔ سید محمود قادری عرف صمدانی بادشاہ پنجشنبہ ۱۰ رجب ۱۳۸۰ھ کو انتقال کیا اور بعد نماز جمعہ درگاہ حضرت سید شاہ قاسم قادری میں گنبد سے متصل مسجد کی طرف کے چبوترہ پر دفن ہوئے۔ آپ پنجشنبہ ۱۰ رجب ۱۳۰۳ھ کو بمقام سالکندہ جاگیر پیدا ہوئے تھے۔ اپنے دادا سید عبدالقادر قادری سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ جلال الدین احمد قادری نگر نوری نے آپکی تواریخ وفات اس طرح ستخرج کی ہیں۔ "غوث العارفین بود" اور "سید شاہ محمود بالصمدانی الحسینی الحسنی القادری۔"

۱۹۶۰ء ۱۳۸۰ھ

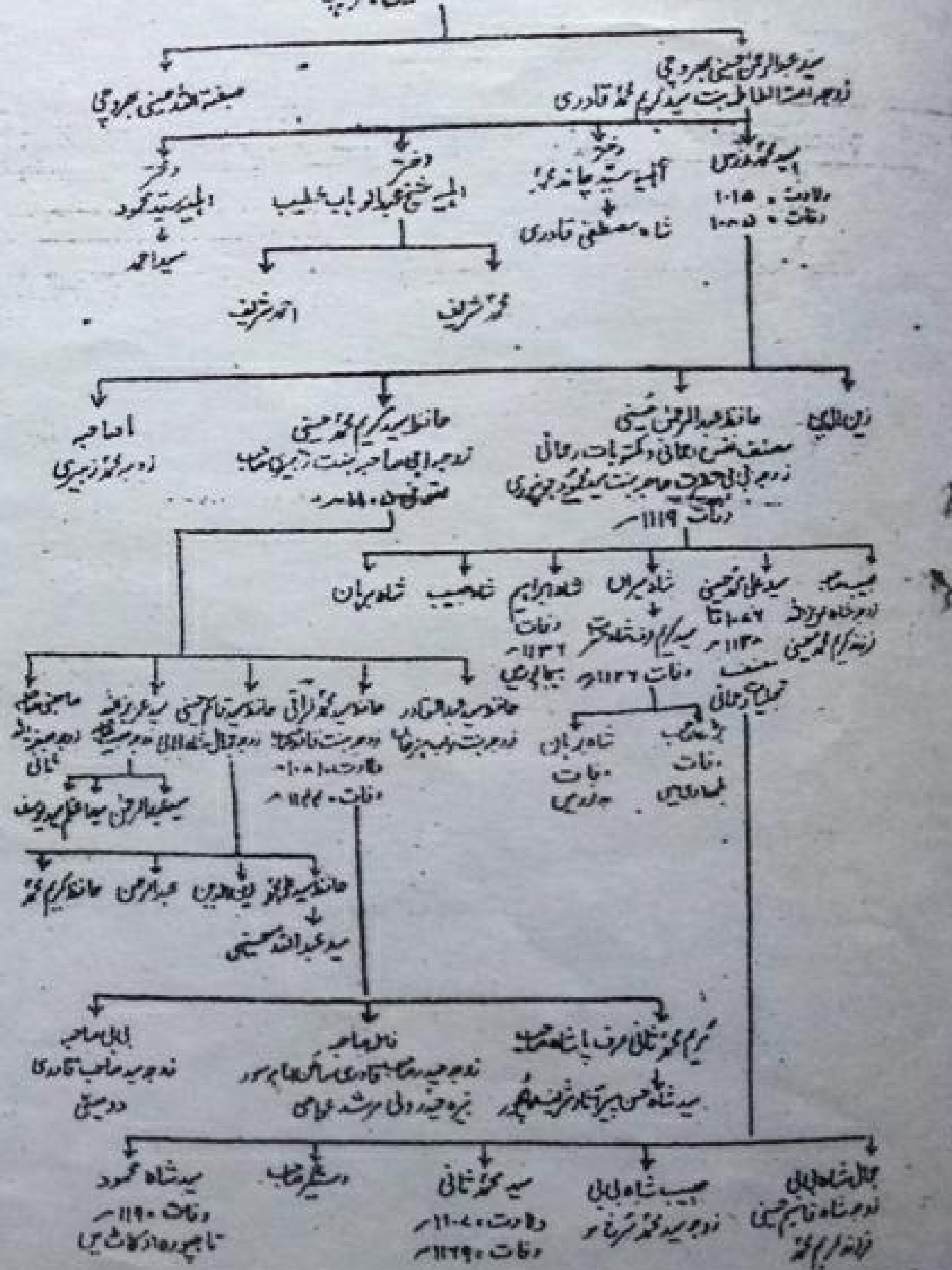
اس رسالہ کی نقل سید مرتضیٰ قادری ولد سید محمود قادری ولد سید عبدالرزاق قادری عرف جیلانی بادشاہ ولد سید عبدالقادر قادری عرف قادر بادشاہ ولد سید محی الدین قادری ولد سید محمود قادری ولد شاہ مرتضیٰ قادری ولد حضرت سید عبدالقادر قادری ولد حضرت میراں سید شاہ مصطفیٰ قادری نے سہ شنبہ ۲۲ صفر ۱۳۸۵ھ کو کی۔ تمت

ولد حضرت سید شاہ شمس الدین قادری گومرسی ولد

شجرۂ خاندان حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری



شجرۂ خاندان حضرت شاہ صبغۃ اللہ حسینی قدس سرہ



شجرۂ خاندان شاہ حضرت نیرہ قادری

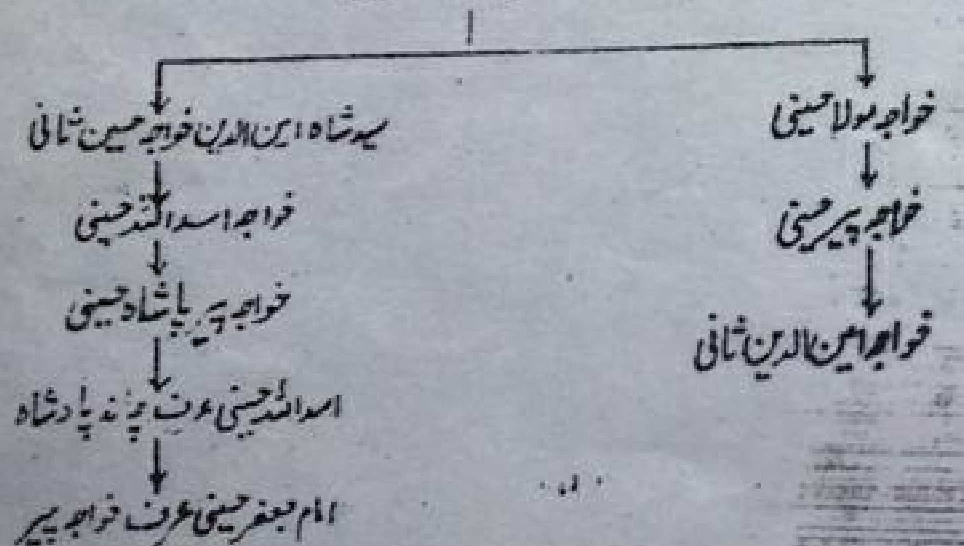
(قادری نخل)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی۔ شاہ تاج الدین عبدالرزاق۔ ابی صالح نصر نیرہ۔ شاہ ابراہیم نیرہ۔ نصیر الدین نیرہ۔ شاہ محمد نیرہ۔ شاہ حسین نیرہ۔ شاہ حمید ولی اللہ نیرہ۔ شاہ نور اللہ نیرہ۔ شاہ عبداللطیف نیرہ۔ سید ابوالحسن عرف شاہ حضرت نیرہ۔ سید عبداللطیف عرف شاہ سیف اللہ نیرہ۔ سید شاہ حمید نیرہ۔ شاہ حضرت نیرہ عرف دستگیر صاحب۔ سید محمد نیرہ۔ سید شاہ احمد نیرہ۔ سید شاہ حضرت نیرہ۔ سید شاہ حسین نیرہ۔ سید شاہ احمد نیرہ عرف ضیاء الدین۔ ابو محمود سید شاہ محمد نیرہ قادری (حاضر حال)

شجرۂ خاندان حضرت میراں جی شمس العشاق

حضرت میراں جی شمس العشاق۔ حضرت برہان الدین جانم۔ خواجہ امین الدین اعلیٰ۔ باؤشاہ حسینی۔ سید علی پیر حسینی۔ سید شاہ برہان الدین جانم ثانی۔ سید حسین حسینی عرف بادشاہ حسینی۔ سید امین الدین حسینی۔

سید محمد حسینی معروف بہ حسینی صاحب



نوٹ:۔ یہ شجرے قارئین کی سہولت کی خاطر دیے گئے ہیں۔ [illegible] (مترجم)

مطبوعہ

نیشنل فائن پرنٹنگ پریس
حیدرآباد
اے۔پی